سرگذشتِ حاتم

مرتبہ

سیّد محیؔ الدین قادری زورؔ

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۱۱۴

سرگذشت حاتم

یعنی دہلی کے پہلے اردو شاعر اور استاد الشعرا

شاہ ظہور الدین حاتم کے حالات زندگی اور

اردو و فارسی کلام پر تبصرہ

مرتبہٗ

سید محی الدین قادری زور

پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اردو

حیدرآباد دکن

سنہ ۱۹۴۴ء

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر خیریت آباد

حیدرآباد

قیمت دو روپے

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

مصنّف کی اس قسم کی دوسری تالیفات

سرگذشت غالب
اُردو کے مشہور شاعر و ادیب مرزا اسد اللہ خاں غالب کے حالات
اور تصنیفات۔ صفحات ۶۴۔ قیمت آٹھ آنہ ۸؍

حیات محمد قلی قطب شاہ
اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر اور شہر حیدر آباد کے بانی کے تفصیلی
حالات زندگی۔ متعدد تصاویر۔ صفحات ۵۰۰ قیمت صمہ۔

حیات میر محمد مومن
محمد قلی قطب شاہ کے وزیر اعظم اور فارسی کے ایک بڑے شاعر اور عالم کے
تفصیلی حالات زندگی۔ ۳۴ تصاویر۔ صفحات ۳۱۲۔ قیمت عہ؍

فیض سخن
حیدر آباد کے مشہور استاد الاساتذہ حافظ میر شمس الدین محمد فیض کے
حالات اور کلام کا انتخاب۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت ۱۲؍

بادۂ سخن
مرزا داغ دہلوی کے حیدر آبادی حریف مقابل ڈاکٹر احمد حسین مائل
کے حالات اور کلام کا انتخاب۔ صفحات ۱۲۸۔ قیمت ۱۲؍

کیف سخن
حیدر آباد کے مشہور قومی شاعر سید رضی الدین حسن کیفی کے حالات
اور نمونہ کلام۔ صفحات ۱۲۲۔ قیمت ۱۲؍

متاعِ سخن
مرزا داغ دہلوی کے حیدرآبادی جانشین نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کے حالات اور نمونۂ کلام ۔ صفحات ۱۲۴ ۔ قیمت ۱۲؍

مرقعِ سخن
جلد اول
حیدرآباد کے بچیس شعرائے دورِ آصفی کا تاریخی تذکرہ جس کے ہر دور کے آغاز میں بیرون حیدرآباد کے معاصرین کی بھی وضاحت کردی گئی ہے ۔ ۵۵ تصاویر ۔ صفحات ۵۰۰ ۔ قیمت صمہ

مرقعِ سخن
جلد دوم
حیدرآباد کے دیگر پچاس شعرائے دورِ آصفی کا تاریخی تذکرہ جو مرقعِ سخن جلد اول کی طرز پر مرتب کیا گیا ہے ۔ ۵۰ تصاویر ۔ صفحات ۴۳۲
قیمت صمہ

اُردو کے اسالیبِ بیان
اُردو کے مشہور صاحب اسلوب انشا پردازوں کے کارناموں پر تبصرہ
چوتھا ایڈیشن ۔ صفحات ۱۴۴ قیمت عہ

تنقیدی مقالات
اُردو کے مشہور شاعروں اور ادیبوں مثلاً حالی ، غالب ، میر حسن ، میر امن ، میر انیس ، اور میر تقی میر کے حالات اور نثر و نظم کی خصوصیات پر سیر حاصل مباحث ۔ چوتھا ایڈیشن ۔ صفحات ۴۰۰
زیر طبع قیمت صمہ

فہرست مضامین

صفحہ

دہلی کے مشہور صوفی شاعر حضرت شاہ ظہور الدین حاتم
سہروردی کے حالات زندگی کا یہ مجمل تذکرہ حیدرآباد
کے ایک صوفی شاعر و ادیب حضرت مولانا حافظ
قاری ابوالبرکات سید غلام محمد شاہ قادری الرفاعی
زعمؔ قدس سرہٗ کے اسم مقدس سے معنون کیا جاتا ہے
کیونکہ اس کے مرتب کا ذوقِ تصنیف و تالیف حضرت
ہی کے اعلیٰ فیضان کا ایک ادنیٰ مظہر ہے

دیباچہ

یہ مضمون اصل میں شاہ ظہور الدین حاتم کے "دیوان زادہ" کا مقدمہ ہے۔ "دیوان زادہ" ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے کئی سال سے زیر طبع ہے۔ اور چونکہ اس کی اشاعت میں مسلسل تعویق ہوتی رہی اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو علیحدہ کتابی صورت میں پہلے شائع کر دیا جائے تاکہ اردو شعر و سخن کے قدر دان اپنی زبان کے ایک بڑے شاعر اور استاد مصلح کے حالات زندگی سے واقف ہو جائیں اور اس کے کلام کے مطالعے کا شوق پیدا ہو۔ توقع ہے کہ حاتم کا مشہور و معروف "دیوان زادہ" بھی چند ماہ کے اندر ہی زیور طبع سے آراستہ ہو کر اردو ادب کے خزانے میں اضافے کا باعث ہوگا۔

اس مضمون کا کچھ حصّہ ۱۵ سال پہلے لندن اور پیرس میں لکھا گیا تھا اور وہاں سے واپسی کے بعد آج سے ۱۲ سال قبل ہندستانی اکیڈیمی کے تماہی رسالے "ہندستانی" بابت جنوری سنہ ۳۲ء۱۹ میں شائع ہوا تھا۔ اور اس کے بعد ہی حضرت اصغر گونڈوی مرحوم اور

ڈاکٹر تاراچند کی خواہش اور اصرار پر اصل "دیوان زادہ" بھی ہندستانی اکیڈیمی سے خاص اہتمام کے ساتھ بڑی سائز پر (جو موجودہ کتاب کی دوگنی تھی) چھپ رہا تھا۔ اور چالیس پچاس صفحات کے پروف بھی نکلے تھے کہ حضرت اصغر علیل ہوگئے اور بعد کو چل بسے۔ اُن کے بعد یہ کام بھی رک گیا۔ ہر چند کہ عرصے تک ڈاکٹر تاراچند اس کی طرف توجہ بھی دلاتے رہے مگر کچھ ایسے واقعات پیش آتے گئے کہ رکا ہوا کام جاری نہ ہو سکا۔

چند سال قبل جب ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے روحِ غالب اور اس کا مقدمہ سرگذشت غالب شائع ہوا تو پھر "دیوان زادہ" کی طرف توجہ منعطف ہوئی اور اسکی اشاعت کا شوق پیدا ہوا۔ مگر ایسی مصروفیتیں یکے بعد دیگرے نکلتی گئیں کہ یہ کام پیچھے پڑ گیا اور کئی اور کتابیں اشاعت کی منزل طے کرگئیں۔

آخر کار جب کلیات محمد قلی قطب شاہ اور حیات محمد قلی قطب شاہ شائع ہوگئیں اور راقم الحروف کو سات آٹھ سال کی مصروفیت کے بعد کچھ فرصت نصیب ہوئی تو پھر "دیوان زادہ" کی طباعت کا کام شروع کردیا گیا لیکن اس اثنا میں بعض قدردانوں کی فرمائش پر حیات میر محمد مومن اور شاد و اقبال کے خطوط کی ترتیب کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اور یہ کام پھر تعویق میں پڑ گیا۔

پندرہ سال کا عرصہ معمولی نہیں ہے۔ اس اثناء میں حیات شاہ حاتم کے متعلق بہت سے کاغذات جن پر یورپ کے کتب خانوں میں

لکھے ہوئے نوٹ اور معلومات کا خلاصہ اور ان کے حوالے درج تھے منتشر ہو گئے۔ اور بعض دوسرے کاغذات میں کچھ اس طرح غائب ہوئے کہ اب تک تلاش جاری ہے لیکن اُن کا پتہ نہیں چلتا۔ بہرحال جو کچھ معلومات حاصل ہو سکیں اُنہی کو قلمبند کر کے "ہندستانی" کے مضمون کو کتابی شکل دے دی گئی ہے۔ اگر زمانے نے مہلت دی اور اس موضوع پر مزید معلومات اور پرانے کاغذ دستیاب ہو جائیں تو یہ کتاب دوبارہ اس سے زیادہ مکمل حالت میں شائع ہو سکے گی اور شاہ حاتم کی حیات اور کارناموں کی ترجمانی کا حق صحیح معنوں میں ادا ہو سکے گا۔

مجھے توقع تھی کہ میں دہلی کے اِس پہلے اُردو شاعر شاہ حاتم کے حالات زندگی اُسی وسیع پیمانے پر مرتب کر سکوں گا جس پیمانے پر کہ اُردو کے پہلے شاعر محمد قلی قطب شاہ اور اس کے وزیر اعظم میر محمد مومن کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔ اگر میں اس کام کے لئے مزید وقت نکال سکتا تو ممکن ہے کہ اس آرزو کی تکمیل بھی ہو جاتی۔ لیکن زیادہ اندیشہ اس امر کا تھا کہ نہ تو یہ کتاب مرتب ہونے پاتی اور نہ "دیوان زادہ" ہی چھپ کر منظر عام پر آسکتا۔ کیونکہ اب میرے پیش نظر محمد قلی قطب شاہ کے جانشینوں سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کے سوانح حیات ہیں۔ یہ دونوں نہ صرف حیدرآباد کے جلیل القدر حکمران تھے بلکہ اُردو کے شاعر اور بیسیوں اردو شعراو ادبا کے سرپرست بھی تھے۔

اس چھوٹی سی کتاب کے ذریعہ سے اُردو کے ایک بڑے شاعر اور استادالاساتذہ کی شخصیت اور کردار کے ایسے پہلو روشنی میں آجاتے ہیں جو ہر زمانے میں معیاری سمجھے جائیں گے۔ شاہ حاتم میں قدرت نے انسانیت کے ایسے جوہر ودیعت کئے تھے جو بہت کم انسانوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کی سادگی، خوش خلقی، سوز و گداز، وفاشعاری اور فقیر منشی اگرچہ ان کے کلام سے بھی نمایاں ہیں لیکن جب ان کی زندگی کے حالات پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حال اور قال ایک ہی تھا۔ ان کی زندگی کی طرح ان کی شاعری بھی تکلف اور تصنع سے پاک تھی۔

زمانہ اور اہل زمانہ نے اگرچہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اکثر باکمالوں کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے لیکن حاتم نے دنیا کی اس سفلہ پروری کے جواب میں اپنے معترض میر تقی میر کی طرح تلخی اور دشنام سے کام نہیں لیا۔ اور نہ اپنے شاگرد سودا کی طرح ہجو اور رقصیت کی طرف توجہ کی۔ وہ ایک نیک انسان تھے اور چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے جہاں تک ہوسکے بھلائی اور خدمت کئے جائیں۔

شاہ حاتم کی حیات اور کلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جس نے راقم الحروف کو اُن کا گرویدہ بنادیا ہے اور جس کی وجہ سے یہ کتاب مرتب ہوسکی ہے۔ سبب تالیف کی اس مختصر سی وضاحت کے بعد یقین ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اہل ذوق

کی دلچسپی کا باعث ثابت ہوگا۔

سید محی الدین قادری زور

ادارۂ ادبیات اردو ۔ خیریت آباد
یکم جون ۴۴ء

ہماری گفتگو سب سے جدا ہے — ہمارے سب سخن ہیں بانکپن کے
وہی ہیں ریختہ کے فن میں استاد — جو ہیں گے آشنا حاتمؔ کے فن کے

شاہ حاتم اردو کے ایک بہت بڑے شاعر تھے اور بڑے بڑے شاعروں کے استاد بھی، ان کی صحیح عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ دہلی کے اُن دو تین ابتدائی صاحبانِ ذوق میں سے ہیں جنھوں نے "دیوان ولی" کے مطالعہ کے بعد فارسی گوئی ترک کر کے اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ لیکن یہ فخر حاتم ہی کو حاصل ہے کہ وہ پہلے سخنور ہیں جنھوں نے مستقل طور پر اُردو شاعری شروع کی۔ اس کا چرچا کیا اور مسلسل ستر برس تک اسی کی خدمت میں منہمک رہے۔ اُردو کا شاید ہی کوئی شاعر ایسا نکلے جسے اتنے طویل عرصہ تک شاعری کرنے کا موقع ملا ہو اور جو قابل قدر شاعروں کے ایک وسیع سلسلے کا استاد ہو۔

ایک ایسے قابل قدر شاعر کے متعلق بھی اس وقت تک ہمارے یہاں بہت کم لکھا گیا ہے۔ اسکی وجہ ایک تو یہ ہے کہ شاہ حاتم کی زندگی اور کلام پر تحقیقات کرنے کے لئے ہندوستان میں بہت کم مواد موجود تھا، اور دوسرے یہ کہ جو کچھ آزاد نے "آب حیات"

میں لکھ دیا اُسی کو آخری لفظ سمجھ لیا گیا ہے۔

آزاد کے بعد اگر کسی نے اِس موضوع کی طرف توجہ کی تو وہ مولانا حسرت موہانی ہیں۔ انھوں نے "اُردوے معلّی" (علی گڑھ نمبر ۶ جلد ۱۰ نومبر ۱۹۰۹ء) میں حاتم کے کچھ حالات اور چند غزلیں پیش کی ہیں اور بعد کو ایک مختصر سا انتخاب بھی شائع کیا۔ لیکن ان کا مضمون ظاہر کرتا ہے کہ انھیں بھی کافی معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔

لندن میں جب راقم کو اردو کے اکثر شاہکاروں کے مطالعہ کا موقع ملا تو حاتم کے عجیب و غریب "دیوان زادہ" کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ "دیوان زادہ" اپنی گوناگوں خصوصیتوں کے لحاظ سے اُردو کے تمام دیوانوں میں نرالی حیثیت رکھتا ہے، اور پھر خوبی یہ ہے کہ خود شاہ حاتم کے قلم سے ۱۱۷۹ھ میں (گویا آج سے ایک سو ستر برس پہلے) لکھا گیا ہے۔ اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زبان اُردو کے درجہ بدرجہ ارتقا، لفظوں اور ترکیبوں کی تبدیلیاں، اور محاوروں اور لب و لہجہ کے اختلاف تاریخ وار مندرج ہوگئے ہیں۔ یہ ایک ایسا کمیاب گنجینہ ہے جس کی اہمیت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو ہندوستانی زبان کی لسانی ساخت پر غور و خوض میں مصروف ہیں۔ چنانچہ اس کارنامہ کے مطالعہ کے ساتھ ہی راقم کو حاتم کی زندگی اور انکے کلام کی نوعیت کے متعلق تحقیقات کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور حُسنِ اتفاق سے یورپ ہی کے مختلف کتب خانوں میں اس موضوع کی نسبت بہت سی معلومات حاصل ہوگئیں۔

چونکہ حاتم اور اُن کے ہمعصروں کے بہت سے حالات و نتائج فکر اس وقت تک بے نقاب نہیں ہوئے ہیں، اور اس طرح ہمارے ادب و زبان کی تاریخ کے ایک اہم دور کی نسبت ہماری معلومات بہت محدود ہیں، اسکے علاوہ یہ ضروری ہے کہ نئی نسل کے اعلیٰ ذہنی اِرتقا اور صحیح ادبی تربیت کے لیے قدیم علمی و ادبی روایات کا مطالعہ اور پیش رو شاعروں اور ادیبوں کے خیالات و حالات زندگی کو روشناس کیا جائے۔ اس لئے

وطن واپس ہونے کے بعد میں نے اپنی پہلی فرصت میں اس کام کی تکمیل کی طرف توجہ کی ہے۔

حاتم کے متعلق آزاد نے جو کچھ لکھا، اسلوب بیان اور دلچسپی مضمون کے لحاظ سے قابل قدر ہے۔ لیکن معلومات کے لحاظ سے تشفی بخش نہیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ آزاد نے معلومات حاصل کرنے کی کماحقہ کوشش نہیں کی، ورنہ ممکن تھا کہ اس زمانہ میں انھیں بعض ایسے ذرائع اور مآخذ ملجاتے جو آج ہمیں کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتے۔

"آب حیات" میں حاتم کے متعلق جو مختصر سی معلومات درج ہیں اُنکی صحت بھی غالباً آزاد کے مخصوص انداز بیان کی وجہ سے بری طرح مجروح ہوگئی ہے۔ اُن کے تمام مآخذ آج یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں، اور ان اصلی حوالوں سے آزاد کی عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آزاد نے عمداً انھیں مسخ کر دیا، یا "آب حیات" کا مسودہ تیار کرتے وقت یہ اصل مآخذ اُن کے سامنے نہ تھے۔ گمان غالب تو یہی ہے کہ اُن کے اکثر بیانات صرف اُن کے غیر معمولی حافظہ کے مرہون منت ہیں۔ اصل ماخذوں اور آزاد کی عبارتوں کے اختلافات اس کتاب میں حسب موقع پیش کئے گئے ہیں۔

یہاں اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ "دیوان زادہ" تو کجا حاتم کا غالباً کوئی اُردو دیوان آزاد کی نظر سے نہیں گذرا۔ ورنہ اُن کے حالات اور شاعری کی نسبت آزاد کی معلومات اتنی مختصر نہ ہوتیں۔ اسکے علاوہ اگر واقعی حاتم کا کوئی اُردو دیوان آزاد کی نظر سے گذرتا تو وہ اس کا ذکر بھی اسی طرح کر دیتے جس طرح دیوان فارسی کا حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:-

"شاہ حاتم کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے۔ مگر بہت مختصر میں نے دیکھا وہ ۱۱۷۹ھ کا خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ غزل ۹۰ صفحے، رباعی و فرد وغیرہ ۶ صفحے۔"

اگر آزاد "دیوان زادہ" دیکھتے تو اُس کی نادر خصوصیات کا "آبِ حیات" میں ضرور تذکرہ کرتے۔ اور حاتم کے کلام کا نمونہ نقل کرتے وقت وہ سُرخیاں بھی یقیناً لکھ لیتے جو "دیوان زادہ" کی غزلوں کا نمایاں جزو ہیں۔

شاعری کا آغاز

حاتم کا نام شیخ ظہور الدین تھا۔ وہ شاہجہاں آباد میں ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ لفظ "ظہور" سے ان کا سنہ پیدائش ظاہر ہوتا ہے۔ یہ واقعہ انھوں نے مصحفی سے کہا تھا۔ اور غالباً مصحفی نے ہی پہلی دفعہ اپنے فارسی تذکرہ "عقد ثریا" (تصنیف ۱۱۹۹ھ) میں اس کا ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بقولش تاریخ تولدش حرف ظہور باشد" (مخطوطہ برٹش میوزیم) پھر اردو تذکرے میں بھی اس خیال کو الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اُن کے والد کا نام شیخ فتح الدین تھا۔ وہ غالباً سپاہی پیشہ تھے۔ چنانچہ ظہور الدین کی تربیت پہلے اسی فن کے مناسب کی گئی۔ مگر اُس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق اِس لڑکے کو شعر و شاعری کا ذوق بھی پیدا ہو گیا۔ حاتم نے پندرہ سولہ برس کی عمر ہی سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنا پہلا تخلص رمزؔ اختیار کیا۔

شاہ حاتم نے کس سنہ میں شاعری شروع کی اس کے متعلق چند اختلافات ہیں:—

(۱) وہ اپنے ایک شعر میں جو ۱۱۶۴ھ کی لکھی ہوئی غزل میں شامل ہے، لکھتے ہیں:—

اڑتیس برس ہوئے کہ حاتم مشاق قدیم و کہنہ گو ہے

اس شعر کے لحاظ سے حاتم نے ۱۱۲۶ھ میں شاعری شروع کی ۔

(۲) مگر لندن کے مخطوطہ "دیوان زادہ" کے دیباچہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں :۔

"از سنہ یکہزار و بست و ہشت تا یکہزار و شصت و ہشت کہ قریب چہل سال باشد نقد عمر دریں فن صرف نمودہ"۔

اس بیان کے لحاظ سے حاتم نے ۱۷ سال کی عمر میں ۱۱۲۸ھ میں شاعری شروع کی۔

(۳) آزاد نے "آب حیات" میں "دیوان زادہ" کے دیباچہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں :۔

"از ۱۱۲۹ھ تا ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد، عمر دریں فن صرف کردہ"۔

اس لحاظ سے حاتم کی عمر ۱۸ سال ہو جاتی ہے اور سنہ شاعری ۱۱۲۹۔

ان تینوں میں ۱۱۲۸ھ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ اس "دیوان زادہ" کے دیباچہ میں موجود ہے جو خود حاتم کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔ آزاد نے جو دیباچہ نقل کیا ہے وہ (جیسا کہ آگے ثابت کیا جائیگا) اُن کے حافظہ کی یادداشت پر مبنی ہے اور اصل دیباچہ سے کئی امور میں مختلف ہے۔ رہی حاتم کے شعر کی سند جس سے ۱۱۲۶ھ نکلتا ہے تو وہ دیباچہ کے ذمہ دارانہ بیان کے مقابلہ میں قابل لحاظ نہیں رہتی۔

اسی سلسلے میں اِس واقعہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حاتم کی شاعری کی ابتدا کے متعلق آزاد نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے :۔

"شیخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ میں اُن کی شاعری کی ابتدا یہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۳ محمد شاہی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔

اِس زمانہ کے حال کے مطابق وہی غنیمت تھا۔ اِس واسطے خاص و
عام میں اُس کا بہت چرچا ہوا۔ شاہ حاتم کی طبیعتِ موزوں نے بھی
جوش مارا۔ شعر کہنا شروع کیا اور ہمّت و لیاقت سے اُسے انتہا کو
پہنچایا"۔

اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حاتم کی شاعری کی ابتدا ۱۱۳۲ھ میں ۲۱ سال کی عمر میں قرار پاتی ہے۔

مگر "آب حیات" کی اس عبارت میں سب سے پہلے تو سنہ کا اختلاف قابل ذکر ہے۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ "درسنہ دویم فردوس آرام گاہ......" (تذکرۂ ہندی برٹش میوزیم) اِس کے علاوہ مصحفی کے اصل بیان سے مقابلہ کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔ مصحفی کے کسی تذکرے میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حاتم نے ولی کا دیوان دیکھنے کے بعد شاعری شروع کی۔ وہ اپنے "تذکرہ ہندی" میں لکھتے ہیں:۔

"روزے (شاہ حاتم) پیش فقیر نقل می کرد کہ درسنہ دوم
فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہجہاں آباد آمد۔ واشعارش
بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ بادوسہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون
آبرو باشد، بناے شعر ہندی را بایہام گوئی نہادہ دادِ معنی یابی و
تلاش مضمون تازہ می دادیم"۔

مصحفی کے فارسی تذکرہ "عقد ثریا" میں اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ وہ تذکرہ فارسی شاعری سے متعلق ہے۔

اِن حالات کی بنا پر صرف یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حاتم نے "دیوان ولی" کے مطالعہ سے چار پانچ برس پہلے یعنی ۱۱۲۸ھ ہی سے فارسی میں مرزا صائب کی

طرز پر شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر جب ۱۱۳۲ھ میں "دیوان ولی" کی زیارت کی تو انہوں نے اور اُن کے چند ہمعصروں نے شمال میں اُردو شاعری کی ابتدا کی۔ اور شاید اُسی وقت سے حاتم نے اپنا ابتدائی تخلص رمز ترک کر کے حاتم تخلص اختیار کیا۔ مصحفی کا اصل بیان دہلی میں اُردو شاعری کی مقبولیت و ابتدا کا حال ظاہر کرتا ہے نہ کہ حاتم کی شاعری کی ابتدا کا۔

اس ضمن میں یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ ۱۱۳۲ھ سے بہت پہلے ہی ولی کی شہرت اور اُن کے کلام کے نمونے دہلی پہنچ چکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ مکمل دیوان عہد محمد شاہ کے دوسرے سال وہاں پہنچا ہو۔ بعض ایسے قراین بھی موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ خود ولی نے اورنگ زیب کے عہد میں دہلی کا ایک سفر کیا تھا مگر یہ امر بحث طلب ہے اور موجودہ موضوع کے لئے باعث طوالت۔

"دیوان زادہ" میں حاتم کی ایک غزل ایسی ہے جو ۱۱۳۱ھ میں لکھی گئی ہے اور ولی ہی کی زمین اور طرز میں۔ حاتم کی اس غزل کا پہلا مصرع یہ ہے :۔

تاباں ہے اس نگہ سے مرے دل میں نور آج

(دیوان زادہ غزل نمبر ۷۰)

اس غزل کا سنہ تصنیف ظاہر کرتا ہے کہ دیوان ولی کے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی اس کی چند غزلیں وہاں پہنچ چکی تھیں جن کے مطالعہ کے بعد وہاں کے شاعروں کو (جو دراصل فارسی گو تھے) اُردو میں بھی کہنے کا خیال پیدا ہو چلا تھا۔ یہ خیال دراصل مکمل دیوان ولی کی زیارت کے بعد پختہ ہو گیا۔

حاتم نے ۱۱۳۱ھ میں ولی کی جس غزل پر غزل لکھی تھی وہ شاید بعد میں ناپید ہو گئی کیونکہ انجمن ترقی اُردو سے اُنکا جو کلیات مولوی احسن مارہروی صاحب نے شایع کیا ہے اس میں اس غزل کا پتہ نہیں چلتا۔

ولی کا اثر

شاہ حاتم ولی کو اپنا اُستاد سمجھتے تھے۔ وہ "دیوان زادہ" کے دیباچہ میں یوں رقمطراز ہیں :—

"در شعر فارسی بطرز مرزا صائب و در ریختہ بطور ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد و ہر دو را استاد می داند"

آزاد نے اِس عبارت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یوں نقل کیا ہے :—

"در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را اُستاد می داند"

مگر دونوں عبارتوں سے تقریباً ایک ہی مطلب ظاہر ہوتا ہے۔

حاتم دہلی کے اُن شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے ولی اور ان کے کلام سے خاص طور پر فیض حاصل کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ محمد شاہ کے عہد میں دہلی آئے تو حاتم نے بھی اُن سے ملاقات کی۔ وہ ولی کو بزرگ سمجھتے تھے اور انکی موجودگی میں ان کی غزلوں پر غزل لکھنے کو بے ادبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۱۴۱ھ کی ایک غزل کا مقطع یہ ہے :—

اے ولی مجھ سے اب آزردہ نہو ناکہ مجھے یہ غزل کہنے کو نواب نے فرمائی ہے

حاتم نے یہ غزل ولی کی اُس مشہور غزل پر لکھی تھی جس کا مقطع یہ ہے :-

اے ولی رہنے کوں دنیا میں مقامِ عاشق کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

یہ غزل انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ کلیات میں صفحہ ۲۹۹ پر واقع ہے ۔

شاہ حاتم کے اِس مقطع سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولی غالباً ۱۱۴۱ھ میں دہلی میں موجود تھے ۔ ولی کے عہد محمد شاہ میں دہلی جانے کی تاریخ بھی اب تک تحقیق طلب ہے۔ مگر حاتم کا یہ مقطع اور ان کی دوسری بارہ غزلیں جو ولی کی زبان و طرز میں لکھی گئی ہیں اِس مسئلہ کو بھی ایک حد تک حل کر دیتی ہیں ۔

حاتم نے ولی کی زبان میں ۱۳ غزلیں لکھیں ۔ کسی اور شاعر کی تقلید میں اُن کے یہاں اتنی زیادہ غزلیں نہیں ہیں ۔ اُن کی پہلی غزل جس کا ذکر گذر چکا ہے ۱۱۳۱ھ میں لکھی گئی ہے ۔ دوسری ۱۱۳۵ھ میں لکھی گئی ہے ۔ اُس کا پہلا مصرعہ یہ ہے :-

جس کو تیرا خیال ہوتا ہے (دیوان زادہ غزل ۲۱۳)

اِس زمین کی غزل اِس وقت "کلیات ولی" میں محفوظ نہیں ہے ۔

اِسکے بعد ۱۱۳۶ھ میں حاتم نے ولی کی تقلید میں تین غزلیں لکھیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱ ۔ مصرعۂ حاتم ۔ کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھکو یاد ہے

(دیوان زادہ نمبر ۲۹۶)

" ولی ۔ ہے بجا عاشق کی خاطر اگر ناشاد ہے

(کلیات ولی صفحہ ۲۵۹)

۲ ۔ " حاتم ۔ نہ کر خوباں سے اے دل آشنائی

(دیوان زادہ نمبر ۳۷۸)

" ولی ۔ ترا مکھ ہے چراغ دلربائی

(کلیات ولی صفحہ ۳۰۵)

۳ ۔ مصرعۂ حاتم ۔ جس طرف کو کہ یار جاتا ہے

(دیوان زادہ نمبر ۳۱۴)

اس زمین کی ولی کی غزل اُنکے مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے ۔

۱۱۳۸ھ میں حاتم نے اس قسم کی دو اور غزلیں لکھیں یعنی :۔

۱ ۔ مصرعۂ حاتم ۔ اُس پریرو کا مجھے ہر دم تصور کام ہے

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۹)

" ولی ۔ نشہ بخشِ عاشقاں وہ سَاقیِ گلفام ہے

(کلیات ولی صفحہ ۲۸۱)

۲ " حاتم ۔ مجھسے مِس کو یہ کیمیا بس ہے

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷)

ولی کے مطبوعہ کلیات میں اِس زمین میں کوئی غزل موجود نہیں ۔

۱۱۳۸ھ میں بھی دو غزلیں ولی کی زمین میں لکھی ہیں یعنی :۔

۱ ۔ مصرعۂ حاتم ۔ الفت کی مجھکو پیارے تیری نگاہ بس ہے

(دیوان زادہ نمبر ۳۳۶)

" ولی ۔ ہم کو شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے

(کلیات ولی صفحہ ۲۷۴)

۲ ۔ " حاتم ۔ جب چمن میں چلا وہ سرو بلند

(دیوان زادہ نمبر ۱۰۳)

ولی کے مطبوعہ کلیات میں اِس زمین میں بھی کوئی غزل نہیں ہے ۔

"دیوان زادہ" میں حاتم نے ایسی کوئی غزل منتخب نہیں کی ہے جو ولی کی طرز میں ۱۱۴۰ھ میں لکھی گئی ہو ۔ البتہ ۱۱۴۱ھ کی دو غزلیں اس نوعیت کی

موجود ہیں۔ ایک کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ دوسری غزل کا پہلا مصرعہ ہے :۔

جو چمن میں جا کے اِس حالت کا میں چرچا کروں

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷)

اِس زمین میں ولی کی غزل نہایت بلند پایہ ہے۔ اِس کا مطلع ہے :۔

خوبیٔ اعجاز حُسنِ یار اگر انشا کروں　　بے تکلف صفحہ کاغذ ید بیضا کروں

(کلیات صفحہ ۱۵۸)

اِن گیارہ غزلوں کے بعد "دیوان زادہ" میں صرف دو ہی غزلیں اس طرح کی ملتی ہیں۔ اِن میں سے ایک ۱۱۴۳ھ کی ہے اور دوسری ۱۱۶۹ھ کی۔ پہلی غزل کا پہلا مصرعہ ہے :۔

جس کو حاتم خیال مال ہوا　　(دیوان زادہ نمبر ۲۵)

اِس زمین میں ولی کی غزل کا پہلا مصرعہ :۔

جلوہ گر جب سوں وہ جمال ہوا　　(کلیات صفحہ ۴۲)

دوسری غزل غالباً ولی کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے۔ اِس کا مصرعہ ہے :۔

کبھو تک دیدۂ انصاف نہ کر کبر و منی

اِس زمین میں کوئی غزل کلیات ولی میں محفوظ نہیں ہے۔

اِس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۱۳۶ھ سے ۱۱۴۱ھ تک کا زمانہ ایسا ہے جس میں حاتم ولی کے زیادہ زیر اثر رہے۔ اِسی زمانہ میں ولی شاہجہاں آباد میں قیام پذیر تھے۔ اور وہاں ریختہ گوئی کا شوق عام ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس عرصہ میں حاتم نے بھی ایک دیوان مکمل کر لیا جو غالباً ۱۱۴۲ھ میں مرتب ہوا اور بہت جلد عوام میں مقبول ہو گیا۔ اس وقت حاتم کی عمر تیس بتیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس دیوان کی ترتیب کا ذکر انہوں نے دیباچہ "دیوان زادہ" میں اس طرح

کیا ہے :۔

”دیوان قدیم از بست و پنج سال در بلاد ہند مشہور دارد و بعد ترتیب آں تا امروز کہ سنہ احد عزیز الدین عالمگیر بادشاہ باشد بقول بزرگے کہ

مارا بہ فراغت بہ اجل دیر رساند
این عمر دراز سخت کوتاہی کرد (کذا)

ہر رطب و یابس کہ از زبان این بے زبان برآمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ ۔“

ملازمت

اُردو کے اکثر تذکرے اس خیال پر متفق ہیں کہ حاتم سپاہی پیشہ تھے اور بچپن ہی سے اُن کی تربیت اس قسم کی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ فارغ البال اور ہم چشموں میں ممتاز رہے۔ مصحفی نے "عقد ثریا" میں لکھا ہے :۔

در ایام جوانی سپاہی پیشہ بود .... از بسکہ این خرابہ از قدردان معمور بود۔ امیرزادہ ہائے والا اعتبار و نوئینان ذوی الاقتدار اور ابیش از بیش بہ تواضع و تعظیم بیش آمدہ بر مسند برابر خود جامی دادند و مناسب حال خود ہا ہر یکے از وافر می گذرانیدند"۔

اس تحریر کے کئی سال بعد پھر "تذکرۂ ہندی" میں لکھتے ہیں :۔

"ہمیشہ عمدہ معاش بود۔ واوقات را بخوبی گذرانیدہ مرد سپاہی پیشہ از ہندوستان زایان قدیم بودہ"۔

منشی کریم الدین اور آزاد کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ اپنے ہمعصر نوجوانوں کے جو جو شوق تھے وہ سب حاتم بھی پورے کرتے تھے۔ کریم الدین نے لکھا ہے کہ "یہ جن روزوں میں کہ سرکار عمدۃ الملک امیر خاں بہادر کے یہاں ملازم تھا

ارتکاب منہیات کا بدرجہ اعلیٰ کرتا تھا۔" منشی کریم الدین کا تذکرہ بظاہر گارساں دتاسی کی " تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی " کا ترجمہ ہے۔ مگر دتاسی نے حاتم کے متعلق یہ خبر کہیں نہیں لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ " طبقات الشعراء " دتاسی کی اہم " تاریخ " کا بعینہ ترجمہ نہیں ہے۔ خود دتاسی اس بات کا قایل ہے کہ " طبقات " قطعاً ایک علیحدہ اور آزاد کتاب ہے (دیکھو " تاریخ ادبیات " طبع ثانی۔ جلد اول صفحہ ۴۸)

کریم الدین نے حاتم کے متعلق اپنی معلومات کا کوئی دوسرا ماخذ نہیں بتلایا اور آزاد نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ کم و بیش " طبقات " ہی سے ماخوذ ہے۔ ایسی صورت میں حاتم کی رند مشربی اور " بانکا " مزاجی ایک حد تک مشتبہ ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیروں اور نواب زادوں سے حاتم کے دوستانہ تعلقات تھے اور بہت ممکن ہے کہ ان کی صحبت کا اثر ان پر بھی پڑا ہو۔

حاتم کا ذریعہ معاش ابتدا میں کیا رہا اسکی نسبت اس وقت ہمیں کوئی علم حاصل نہ ہو سکا۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ چوبیس سال کی عمر میں وہ زیادہ خوشحال نہیں تھے چنانچہ ۱۱۴۵ھ میں ایک غزل میں لکھا ہے :-

محتاجگی سے مجھکو نہیں ایک دم فراغ
حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

لیکن اس کے بعد ہی کے چند سالوں میں وہ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے یہاں ملازم ہو گئے۔ ندیم خاص ہونے کے علاوہ بکاول یا منتظم باورچی خانہ کی خدمات بھی انجام دینے لگے۔ نواب صاحب موصوف بذلہ سنج اور ظریف الطبع ہونے کے ساتھ صاحب ذوق بھی تھے۔ چنانچہ حاتم کی شاعری کے بھی قدردان تھے۔ اور کیا عجب ہے کہ حاتم کی سخنوری کی شہرت ہی نے نواب کو ان کی طرف متوجہ

کردیا ہو۔ "دیوان زادہ" میں تھوڑا سا کلام ایسا بھی موجود ہے جو نواب کی فرمایش پر لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں حاتم کی "مثنوی قہوہ" کی چند ابیات درج کرتے ہیں جو نواب عمدۃ الملک ہی کے حسب ارشاد تصنیف کی گئی ہے اور جس کے درمیان کہیں نواب کا ذکر نہیں البتہ عنوان کے نیچے لکھدیا ہے۔ "حسب الارشاد نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاتم ملازمت کے باوجود بیجا خوشامد نہ کرتے تھے ورنہ القاب کے علاوہ خود مثنوی میں انکا خاص احترام ملحوظ رکھتے۔

جہاں میں سرد مہری سے خزاں ہے ۔۔۔ جو ہم سے گرم ہے تو قہوہ داں ہے
بجا ہے اس کی مجھ سے گرم جوشی ۔۔۔ کہ جانے ہے مری پیمانہ نوشی
قبولِ بارگاہِ بادشاہاں ۔۔۔ جلو میں دست صاحب دستگاہاں
ہے شا کی رات اور دن نیند اُس ہاتھ ۔۔۔ عداوت ہے اُسے نسیان کے ساتھ
اَنیسِ روح و جان و راحتِ دل ۔۔۔ جلیسِ بزم و رونق بخش محفل
ہے نورِ دیدۂ مردم پیالہ ۔۔۔ سوادِ سرمۂ چشم غزالہ
بجا ہے چھوڑ کر مسند نشینی ۔۔۔ یہاں ہر قہوہ پر فغفور چینی
سبھوں کے ہاتھ مجلس میں پیالہ ۔۔۔ چمن سا کھل رہا یکدست لالہ
مجھے اس آن گُل لالہ کی دھن ہے ۔۔۔ کہ پیالہ آپ ہے اور داغ بن ہے
مرا ایک مونس دل بن رہا ہے ۔۔۔ سو اُس کا بھی کلیجہ بھُن رہا ہے
وہ پورا عشق کا سلطان ہے گا ۔۔۔ کہ سینہ چاک و دل بریان ہے گا
ہے سب رنگوں میں قہوہ کا عجب رنگ ۔۔۔ گہے طاؤس ہے گا ہے شب رنگ
بلوریں یوں لگے قہوے سے اب جام ۔۔۔ گلے ملتی ہے گویا صبح اور شام
مجھے ہر دن یہ چاروں جام بس ہیں ۔۔۔ دو پیالے صبح اور دو شام بس ہیں
بلوریں سات پیالے پیالہ داں میں ۔۔۔ ہے جنکی روشنی ہفت آسماں میں

مثالِ عقد پروین ایک جا ہیں | جو کہیے سبع سیارے بجا ہیں
بجا ہے اس کی اہلِ بزم کو چاہ | ہمیشہ گر نہ ہو تو گاہ بے گاہ
کہ اس کو دل جلوں سے راہ ہے گی | ہر اک صحبت کی کب پرواہ ہے گی
نہیں ہوتا بجز اشراف کے یار | سدا ہے صحبت پاجی سے بیزار
جہاں میں زندگی حاتم دو دم ہے | ادھر قہوہ اُدھر حُقّہ کا دم ہے

یہ مثنوی اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ شمالی ہند کی اُردو کی اولین مسلسل نظموں میں سے ہے۔ میر اور سودا کی مثنویاں اس کے بہت بعد کی ہیں۔ حاتم دہلی کے پہلے اُردو شاعر ہیں جنھوں نے معین موضوعوں پر کئی مسلسل اور دلچسپ نظمیں لکھیں۔

نواب عمدۃ الملک کے علاوہ اُن کے اعزہ اور احباب بھی حاتم کے کلام کے قدردان تھے۔ چنانچہ جعفر علیخاں زکی کو جو مرزا مومن بیگ کے فرزند اور نواب صاحب موصوف ہی کے اعزہ سے تھے، حاتم سے خاص عقیدت تھی۔ زکی محمد شاہ کی بارگاہ میں ایک معزز مرتبہ رکھتے تھے اور سہ ہزاری منصب سے سرفراز تھے۔ ان کا یہ امتیاز عمدۃ الملک کی وفات تک قایم رہا۔

جعفر علیخاں چونکہ قدردان سخن تھے، عروج کے زمانے میں ان کی ڈیوڑھی پر شاعروں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا تھا۔ یہ جلسے "نکات الشعرا" کی تصنیف سے چار پانچ سال قبل (یعنی تقریباً ۱۱۶۰ھ) تک قائم تھے۔ زکی کا انتقال شاہ عالم کے عہد حکومت میں ۱۱۷۷ھ میں ہوا۔ (دتاسی تاریخ ادبیات، طبع ثانی جلد سوم صفحہ ۳۲۶)۔

حیرت کی بات ہے کہ "دیوان زادہ" میں حاتم نے اپنے دوست جعفر علیخاں کا تخلص صادق لکھا ہے حالانکہ اُن کا تخلص زکی تھا۔ صادق اس نام کے

ایک اور شاعر کا تخلص تھا جو مشہور بزرگ میر سیّد محمد قادری کی اولاد سے تھے اور جن کی تصنیف "بہارستان جعفری" ہے۔ بعض اُردو تذکروں میں جعفر علیخاں صادق اور جعفر علی خاں زکی دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ موجود ہے۔ لیکن چونکہ ایک ہی زمانہ میں تھے اور نام ایک ہی تھا خلط ملط ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ "گلزار ابراھیم" میں دونوں کا ذکر ہے۔ زکی کی نسبت اُس کی عبارت یہاں نقل کیجاتی ہے جسکے مطالعہ سے ہماری معلومات میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

"زکی دہلوی۔ جعفر علیخاں ابن مرزا مومن بیگ۔ بہ منصب سہ ہزاری در منصبداران محمد شاہ مرحوم سرفراز بود۔ ودر مقربان نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم امتیاز داشت۔ گویند براجہ رام سوائی عاشق بود۔ آخر حال بعد انتقال نواب امیر خاں مرحوم بناکامی گزرانیدہ ازین جہان گذشت۔ طبعش در فکر ریختہ رسا و نظم کلامش بطرز قدماست۔ مثنوی اوکہ اکثر رعایت ایہام کردہ شہرت تمام دارد"۔

(مخطوطہ برٹش میوزیم۔ ورق ۱۰۴ب)

میر تقی میر فرماتے ہیں:۔

"جعفر علیخاں زکی مرد عمدہ روزگاریست۔ متوطن دہلی۔ بادشاہ محمد شاہ براو فرمایش مثنوی حقہ کردہ بود دو۲ سہ شعر موزوں کرد۔ دیگر سرانجام ازو نیافت اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد باتمام رسانید۔ وآن مثنوی خالی از مزہ نیست ......" الیٰ آخرہ۔

میر جیسے "بد دماغ" شخص کا اپنے حریف سودا کے استاد شاہ حاتم کی ایک نظم کو بامزہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ مثنوی کس قدر اہم ہے۔ خصوصًا جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ

میر تقی، شاہ حاتم کو "مردیست جاہل" وغیرہ لکھتے ہیں اور ان کے اشعار پر طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کی "مثنوی حقہ" کو "خالی از مزہ نیست" فرماتے ہیں تو ہمیں اس بوالعجبی پر ہنسی آتی ہے اور ساتھ ہی حاتم کی مثنوی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ مثنوی اس کتاب میں اپنی جگہ پر درج کی جائیگی۔ بادشاہ کی فرمایش کی تکمیل کیلئے جعفر علیخاں کا حاتم کو منتخب کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ حاتم کو اُس دور کے شاعروں میں اِس کام کے سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ اس نظم کے علاوہ حاتم نے اور موقعوں پر بھی اپنے قدر دان کی فرمایش پر غزلیں لکھی ہیں۔ ان کے یہاں جو مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں بھی حاتم حصّہ لیتے تھے۔ چنانچہ "دیوان زادہ" میں ایک ایسی غزل موجود ہے جو ۱۱۵۵ھ میں جعفر علیخاں کی زمین میں لکھی گئی ہے اور جس کا پہلا مصرع یہ ہے:-

دل آگاہ مرا طالب ارشاد نہیں

استغنا

حاتم کی طبیعت ابتدا ہی سے "آزادہ رو" اور عرفاں پسند واقع ہوئی تھی۔ اس قسم کے رجحان ان کے عہد جوانی کی غزلوں میں بھی جا بجا ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ نواب عمدۃ الملک کے یہاں ایک اچھے عہدہ پر فائز تھے، اکثر امیروں اور نوابوں کی صحبت میں گذرتی تھی، مگر ساتھ ہی درویشوں کے یہاں بھی آمد و رفت تھی، اور قدم شریف کے پاس ایک باخدا اور متشرع درویش میر بادل علی شاہ (مُرید خاص حضرت شاہ محمد امین سہروردی) کا تکیہ اُن کی خاص نشست گاہ تھا۔ شاہ بادل ایک صاحب کمال اور مشہور بزرگ تھے۔ اور نوجوانوں پر خاص اثر رکھتے تھے۔ انکی نسبت "طبقات الشعرا" میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے:۔

"میر مذکور مغفور کہ فقیر اور آزاد متشرع اور درویش خدایاد، متورع، مریدان خاص حضرت شاہ محمد امین سہروردی سے، جو کہ عقب دیوار پائیں قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ کے مجردانہ سوتے ہیں، تھا۔ رفتہ رفتہ ارادۂ ارادت نے اس کے دل میں جا پکڑی اور بعد اظہار مافی الضمیر کے یہ قبول پایا۔ لیکن حسب ظاہر، مامور معروفات کا اور ممنوع منہیات سے نہ ہوا۔

پانچ چھ مہینے کے عرصہ میں عطائے تسبیح اور مصلیٰ اور کلام اللہ اور خرقہ اور جو چیز مناسب تھی، بے آنکہ مکلف عمل شرایع سے ہو، بمرور اور بتدریج سرفراز ہوا۔ سب کے آخر میں ایک ورق جس پر استغفار و اوراد خاصۂ حضرات سہروردی تھے، اس کو پہنچا اور یہ اس کے پڑھنے پر مامور ہوا۔ بمجرد پڑھنے کے اس پر عجب ایک حالت ہوئی کہ وقت خواہش مباشرت کوئی حرکت قوائے شہوانی سے نہیں پاتا تھا۔ اور وقت ارادہ پینے شراب کے بو شراب کی اس کے دماغ کو پہنچتے ہی قے ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بالکل عمل منہیات صفحۂ خاطر اس کے سے حک ہو گئے اور صلاح و فلاح دینوی و اخروی کو پہنچا"[1]

غرض حاتم بھی میر بادل علی شاہ کے معتقد ہو گئے۔ اور انہی کے زیر اثر منہیات سے نجات حاصل کی۔ ان کا یہ اعتقاد ۱۱۴۳ھ میں اس حد کو پہنچ گیا کہ انہوں نے اپنی ایک غزل میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھ کہ تیرا رہنما ہے شاہ بادل

اس شعر کے علاوہ "دیوان زادہ" میں اور بھی دو تین شعر ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ بادل علی شاہ کا اثر حاتم پر کتنا گہرا تھا۔ انیس برس بعد ۱۱۶۲ھ میں لکھتے ہیں:۔

حاتم کیا ہے حق نے دو عالم میں سربلند
بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

---

[1] یہی عبارت تذکرۂ مجموعۂ نغز مرتبہ میر قدرت اللہ قاسم (مطبوعہ۔ صفحہ ۱۷۹) پر بزبان فارسی درج ہے۔

اس شعر کی تالیف کے دو سال بعد (یعنی ۱۱۶۴ھ میں) ایک قطعہ لکھا ہے جس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ صاحب کمال عارفوں کی صحبت اختیار کریں :۔

قدم آ کر پکڑ صاحب کمالوں کے، کہ جس تس کو
جو کچھ حاصل ہوا ہے عارف کامل کی صحبت میں
جناب حضرتِ حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادلِ باذل کی صحبت میں

شاہ صاحب کے اثر کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جو شاہ حاتم کو ترک دنیا داری کی طرف راغب کر رہی تھی۔ وہ عہد محمد شاہ کی عام سفلہ پروری اور بے اطمینانی تھی جو لوگ واقعی صاحب حوصلہ اور اہل ذوق تھے دولت مند نہیں رہے تھے اور جو دولت مند تھے انھیں صاحب کمالوں اور سخن دانوں کی قدر و منزلت کا سلیقہ نہ تھا۔ اسکے علاوہ قدیم باوقعت خاندانوں کے چشم و چراغ جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ یا تو عیش و عشرت میں مبتلا تھے یا افلاس میں۔ اس طرح اصحاب علم و فضل اور شعرا بددل ہوتے جا رہے تھے۔ یہ حالت اِس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حاتم جیسا قانع شخص بھی اس کی شکایت کرتا ہے۔ کہتے ہیں :۔

خیر و برکت ہند سے سب اٹھ گئی
سب کی دھارِ تیغ ہمت مر گئی

عادتِ فیض و کرم اہلِ دول سے چھوٹ گئی
دستِ ہمت شل ہوا، چشمِ مروت پھوٹ گئی

اِسی موضوع پر حاتم نے ایک مسلسل نظم بھی لکھی ہے جو گویا عہد محمد شاہ کا ایک منظوم خاکہ ہے

یہ نظم "دیوان زادہ" میں متفرق صفحات پر حاشیوں میں درج ہے۔ ہم نے اس کو ایک جگہ کر کے حسب ذیل شکل میں ترتیب دیا ہے۔ چونکہ شاعری کے لحاظ سے بھی یہ ایک اعلیٰ درجہ کی مسلسل نظم ہے اور اس سے خود حاتم کی افتادِ طبیع کا اندازہ ہوتا ہے اور ان سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے جن سے متاثر ہو کر حاتم نے ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اس لئے یہاں اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

کیا بیاں کیجئے نیرنگیٔ اوضاعِ جہاں
کہ بیک چشم زدن ہو گیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سو اب ننگے پاؤں
پھرے ہیں جوتے کو محتاج پڑے سرگرداں
نعمتیں جن کو میسر تھیں ہمیشہ ہر وقت
روز پھرتے ہیں یہاں قوت کو اپنے حیراں
جن کے پوشاک سے معمور تھے توشک خانے
سو وہ پیوند کو پھرتے ہیں ترستے عریاں
پرچۂ نان کو رکھہ ہاتھ میں کھاتے ہیں امیر
جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں
خوان الوان کہاں اور وہ کہاں دستر خواں
یعنے چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب چہ خاں
پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا اس وقت
ہے عدم دہر کی آنکھوں سے مروت کا نشاں
اقتدار ہے گا جنھیں سو ہیں علیہ اللعنہ
ہیں گے ہر ایک بخود شمر و یزید و مرداں

گرم ہے ظلم کا بازار، خدا خیر کرے
کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفاں
کان دھر بات کسو کی نہیں سنتا کوئی
آنکھ سے آنکھ ملانا تو یہاں کیا امکاں
وے جو بیکار رہیں ان کا تو خدا حافظ ہے
وے جو ہیں نام کو نوکر انھیں تنخواہ کہاں
کیا زمانہ کی ہوا ہو گئی سبحان اللہ
زندگانی ہوئی ہر ایک کی اب دشمن جاں
زن و بچوں سے چھپا کھاتے ہیں ٹکڑے کے تئیں
غضب آئے، جو کوئی جائے کسی کے مہماں
وے جو ٹھڈے کو ترستے تھے سو اس دور میں آج
ہوئے ہیں صاحبِ مال و محل و فیل و نشاں
رتبہ شیروں کا ہوا ہے گا شغالوں کو نصیب
جائے بلبل ہیں چمن بیچ غزل خواں زاغاں
اے خدا۔ خوب کہا ہے یہ کسو نے مصرع
یعنی نعمت بسگاں بخشی و دولت بہ خراں
مرض ہے بھوک کا عالم کو کرے کون علاج
مگر اس درد کو ہو فضل خدا کا درماں
چشم عبرت سے نظر کیجو اولوالابصار و
دیکھ لو راست میں کہتا ہوں عیاں راچہ بیاں

حاتم اس بحر مروت کی علی دیوے داد

جس کا اس وقت ہوا ہے تو عبید الاحساں

("دیوان زادہ" میں یہ نظم مسلسل کسی ایک ہی صفحہ پر لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ متعدد صفحات کے حاشیوں پر جن کی تفصیل یہ ہے۔ اشعار نمبری ۱ تا ۴ ورق ۳۱ الف کے حاشیہ پر۔ اشعار نمبر ۵ تا ۱۰ ورق ۳۹ ب پر اشعار نمبری ۱۱ تا ۱۵ ورق ۳۴ الف۔ اشعار نمبری ۱۶ تا ۱۹ ورق ۴۰ الف)۔

غرض حاتم عمدۃ الملک کے ندیم اور مصاحب تھے مگر اپنی اس طرز کی زندگی سے خوش نہیں تھے۔ فقیروں کی صحبت نے ان کو ایک دوسرا ہی چسکہ لگا دیا تھا وہ ۱۱۳۹ھ میں لکھتے ہیں:—

جب سے ہوئی روشن دلوں کے دل اُپر حاتم نگاہ

تب سے یہ روشن ہے میرے دل کا بے روغن چراغ

معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ہی سال (یعنے ۱۱۴۰ھ میں) ان کا یہ شوق اور بھی ترقی کر چکا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں انھوں نے اس قسم کے بہت سے شعر لکھے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:—

آشنا حاتم غریبوں کا ہو اُمراؤں کو چھوڑ

نام کو ذرہ نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ

وہی ہوتا ہے حاتم سب میں نامی بعد مرنے کے

جو جیتے جی اڑائے آپ سے اپنا نشاں اپنا

دین و دنیا سے گذر کر جو ہوئے ہیں آزاد

حاتم اب معتقدِ ہمتِ درویشاں ہے

بعد کے چند سالوں میں بھی ان کا یہ شوق برابر ترقی کرتا رہا۔ اور ادھر دنیوی قدر و منز لت

میں غالباً کوئی اضافہ نہیں ہوا اگرچہ اس وقت بھی ان کو اپنی شاعری اور سپہ گری کا دعویٰ تھا۔ وہ کہتے ہیں :۔

سنہ ۱۱۴۳ھ ۔ ہے وہ چرخی مثال سرگرداں
جس کو حاتم خیال مال ہوا

سنہ ۱۱۴۴ھ ۔ اے قدرداں کمال حاتم دیکھ
عاشق و شاعر و سپاہی ہے

ان اشعار کے علاوہ قریب قریب اسی زمانہ کے حسب ذیل اشعار بھی ہمارے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں :۔

عجب احوال دیکھا اس زمانے کے امیروں کا
نہ ان کو ڈر خدا کا اور نہ ان کو خوف پیروں کا
مجھے دیوان خانہ سے کسی منعم کے کیا حاتم
ہے آزادی کی کر رہنے کو بس تکیہ فقیروں کا

اسی مضمون کی ایک رباعی بھی "دیوان زادہ" میں موجود ہے :۔

یک ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھ کو ۔ دولت مندوں کی آشنائی مجھ کو
گو فائدہ ان سے ہو نہ ہو حاتم ہوں ۔ یکساں ہے شاہی ہو گدائی مجھ کو

ادھر دنیوی ناقدری ادھر دینی کشش۔ آخر حاتم نے وہی فیصلہ کیا جو ان کی فطرت کے مطابق تھا۔ اور اس فیصلہ کو اس رباعی کی صورت میں ظاہر کیا :۔

حاتم دل کر مثال آئینہ صفا ۔ چاہے کہ جو ہو صورت حق جلوہ نما
کرنا کیا ہے نصیحتیں غیر کے تئیں ۔ چاہے ہے خدا تو رہ خدا کی میں خود آ

ایسی صورت میں نواب عمدۃ الملک کی ملازمت کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ بہرحال نواب صاحب کی خدمت میں ایک استعفا لکھ کر پیش کیا جو ایک طرف تو حاتم کی

شرافت طبع اور اعلیٰ کردار کا مظہر ہے اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ نواب نے اپنی حد تک حاتم کی قدر دانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ حاتم کی یہ نظم اُردو ادب میں بالکل انوکھی چیز ہے۔ نہ صرف تاریخی بلکہ شعری حیثیت سے بھی:-

عرضی بہ جناب نواب عمدۃ الملک در استعفا خدمت در ۱۱۴۵ھ۔

تمھارا عمدۃ الملک اس قدر سے خوان نعمت ہے
کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمان نعمت ہے
جسے دیکھوں ہوں تیری بندگی ۔ ۔ ۔ ۔ (کرم خوردہ)
تری دولت سے ہر ایک صاحب الوان نعمت ہے
کہیں ہیں مہر و مہ جس کے تئیں روشن ہے عالم پر
سو دستر خوان کا تیرے دو قرص نان نعمت ہے
سحر سے شام تک اور شام سے تا صبح مدت تک
ہمارا کام تیری بزم میں سامان نعمت ہے
ہوا ہوں سیر ایسا چاشنی سے چشک کی تیری
خدا شاہد ہے کس کافر کے تئیں ارمانِ نعمت ہے
جیوں گا جب تلک حق نمک تیرا نہ بھولوں گا
مجھے سب یاد ہے جو جو ترا احسانِ نعمت ہے
ہوا ہوں جب سے داروغہ ترے باورچی خانہ کا
اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ کفرانِ نعمت ہے
و لیکن کھا گئی ہے مجھ کو رات اور دن کی یہ محنت
ہے مطبخ کان نعمت پہ مجھے زندانِ نعمت ہے
یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی

کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئی خواہانِ نعمت ہے

(نوٹ۔ شعر ۸ کا پہلا مصرعہ حاشیہ پر یوں درج ہے۔

ولے قیدی کیا ہے مجھ کو رات اور دن کی محنت نے)

ان واقعات اور اس نظم کے مطالعہ کے بعد وہ غلط فہمی یقیناً دور ہو جاتی ہے جو اُردو کے بعض تذکروں نے پھیلا دی ہے یعنے حاتم نواب عمدۃ الملک کی وفات کے بعد جب بیروزگار ہو گئے تو فقیری اختیار کر لی۔ مثلاً "مخزن نکات" میں لکھا ہے:۔ "بعد فوت او (یعنی عمدۃ الملک) توکل روزگار نمود۔ باکمال آزادگی می گزارند"۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حاتم نے اپنا یہ استعفا ۱۱۴۵ میں نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور غلامی پر آزادی کو ترجیح دیکر درویش منش ہو گئے۔ اور اسکے ۵ سال بعد نورالدولہ کے خانساماں بھی رہے۔

ترک ملازمت کے بعد اکثر احباب نے حاتم کو برا بھلا کہا اور اس منصب جلیلہ سے علیحدہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا۔ مگر حاتم اپنی آزادی اور بے فکری پہ مطمئن تھے۔ انھوں نے اپنے معترضین کا جواب حسب ذیل قطعہ میں پیش کیا ہے:۔

ایک دن ایک تونگر نے کیا مجھ سے سوال

بسکہ اپنے تئیں جانے تھا وہ دنیا میں غنی

یعنے۔ بے ہودہ ہوا کیوں تو فقیر اے حاتم

کچھ نہیں جان لے اس فقر میں حاصل شدنی

درجواب اس کے پڑھا میں نے یہ شعر فایق

کہ سن اس رمز کو اے غافل و نادان و دنی

نسبت فقر و فنا بسکہ بہم نزدیک است

نیست یک رشتہ جدائی زکفن تا کفنی

درویشی اور وفات

جب حاتم ملازمت اور اُس کے ساتھ کاروباری زندگی سے دست بردار ہو گئے تو ان کے بہت سے یار و آشنا جو اُن سے صرف فائدہ اٹھانے کی خاطر ملا کرتے تھے اُن سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ حرکت ہر حسّاس دل کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ اور حاتم بھی اُس کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ۱۱۴۵ھ میں انھوں نے ایک شعر میں لکھا ہے:۔

دیکھ کر حاتم کو مفلس اُٹھ گئے دولت کے یار
تب تو چرخی کی طرح کھاتے تھے پھر جب تھا مال

لیکن انھوں نے جس نئی زندگی میں قدم رکھا تھا اس کی دلچسپیاں اُن کو اپنی طرف روز بہ روز زیادہ کھینچتی جاتی تھیں۔ اُن کو اُس کی پروا نہیں رہی تھی کہ کوئی ان سے ملے یا نہ ملے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے حسب حال ایک شعر لکھا تھا:۔

کرتا میں نہیں خوشامد خلق حاتم ہوں ازل سے بے ریا ہوں

اور احباب کے ساتھ راہ و رسم کے قرار و ترقی کی کوشش کرنے کی جگہ وہ معرفت میں ارتقا حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ اسی سال (یعنے ۱۱۴۵ھ میں) حسب ذیل شعر لکھا ہے:۔

لے معرفت کے تو دریا کے دُر کے تئیں حاتم
خدا کرے تجھے اس بحر کا اگر غواص

رفتہ رفتہ حاتم نے آشنائیوں اور قدردانیوں کا خیال ترک کر دیا۔ ایک جگہ تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ میں دولت مندوں کو موجود بھی نہیں سمجھتا۔ ۱۱۴۹ھ میں لکھا ہے:۔

فقر کے کشور کی حق نے دی ہے مجھ کو سلطنت
صاحب دولت کو کب موجود کر بوجھوں ہوں میں

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حاتم کسی سے بھی ملتے جلتے نہ تھے۔ "دیوان زادہ" میں تقریباً اسی زمانہ (یعنے ۱۱۵۱ھ) کا لکھا ہوا ایک خط فاخر خاں بہادر کے نام موجود ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ حاتم کا جذبۂ محبت بالکل مر نہیں گیا تھا۔ اور یہ بھی کہ انھوں نے اس زمانہ میں کچھ عرصہ کیلئے اپنے قدردان فاخر خاں نورالدولہ کی خاطر دنیاداری اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ ۱۱۵۲ھ کی ایک غزل میں لکھتے ہیں:۔

کچھ اب بھی فکر اپنے عاقبت خانے کی کر حاتم نہ بھول اس پر کہ نورالدولہ کا میں خانساماں ہوں

اس سے قبل انھوں نے یہ منظوم خط لکھا تھا جس میں سچے اور پاک جذبات اِس حلاوت اور خلوص کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

"بنام نورالدولہ فاخر خاں بہادر خلف نواب شمس الدولہ مشہور جنگ در ۱۱۵۱ھ۔"

وہ رکھے ہے رات دن جو (ں) جاں مجھے	جس اُپر دینا ہے جان آساں مجھے
اور بھی ہوں جیوں کماں حلقہ بگوش	اپنے اوپر گر کرے قرباں مجھے
اُس گلِ رنگیں کے آگے چشم میں	خار سے لگتے ہیں سب خوباں مجھے
حق رکھے اُس کو سلامت ہند میں	جس سے خوش لگتا ہی ہندوستاں مجھے
ہوں تو حاتم، ہر گھڑی پر لطف سے	مول لیتا ہے گا فاخر خاں مجھے

بے فکری اور فارغ البالی کے اِن چند ابتدائی سالوں کے بعد ہم کو حاتم کی زندگی کے ایک ایسے دور کا بھی پتہ چلتا ہے جب کہ وہ اپنے افلاس کو محسوس کرنے پر

مجبور ہو گئے تھے۔ یہ غالباً نادر شاہی حملہ اور دلی کی عام تاخت و تاراج کا نتیجہ تھا۔
۱۱۵۰ھ میں انھوں نے چند ایسے شعر لکھے ہیں جو اُن کی اِس تکلیف کی طرف اشارہ کرتے ہیں مگر جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تکلیف اور پریشانی کے عالم میں بھی حاتم کی فطری بے پروائی اور توکل مزاجی نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا:۔

تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم
دل تونگر چاہیے تیرا تو گو مفلس ہوا

اگر حاتم جہاں میں مفلس و بے ساز و ساماں ہے
ولے مسند نشینِ صحبتِ مسند نشیناں ہے

سوا احتیاج ہو تو بھی طمع نہ رکھ حاتم
تو اس کے پاس جو ہو تنگ چشم و دل کا نہیں (کذا)

لیکن آیندہ دو تین سالوں میں اُن کی حالت غالباً بہتر ہو گئی۔ یا تو وہ مفلسی کے عادی ہو گئے تھے یا درویشی و عرفان میں اُن کو زیادہ لطف آنے لگا تھا جبکہ وہ ۱۱۶۱ھ میں لکھتے ہیں:۔

اُٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسماں اُپر
مرے اللہ نے! بندہ نوازی اسکو کہتے ہیں

بہت ممکن ہے کہ اس اثنا میں بعض حضرات نے حاتم کو منصب و جاگیر کا لالچ بھی دیا ہو لیکن وہ اپنی ہی طرز زندگی کو بہتر سمجھتے تھے چنانچہ ۱۱۶۴ھ میں کہتے ہیں:۔

دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتم
یہ دمِ نقد نہ کھو فکر محالات کیے بیچ

ہوا ہوں تربیت حاتم میں آزادوں کی صحبت میں
پھروں ہوں تب تو ایسا بے غم و اندوہ و وارستہ

اس کے بعد تین چار سال درویشانہ کسب کمال ہی میں گذرے ۱۱۶۶ھ اور ۱۱۶۷ھ کے اشعار ہیں :-

مرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے

ساز درویشی و سامان فقیری حاتم
میری فہمید میں تنہائی و خاموشی ہے

۱۱۶۸ھ اور اسکے بعد کے دو ایک سال پھر حاتم پر سخت گذرے اگرچہ ان کی آزاد فطرت نے اسکی پروانہ کی۔ چنانچہ اس زمانہ میں وہ لکھتے ہیں :-

مفلسی اور دماغ اے حاتم — کیا قیامت کرے جو دولت ہو!
فیض سے ہمت کے حاتم دل تونگر چاہئے — مفلسی سے ان دنوں گو دست میرا تنگ ہے
مرے احوال فقر کا مت پوچھ — زہد مثل فنر بدکرتا ہوں
اپنے احسان خلق سے حاتم — آدمی کو عبید کرتا ہوں

گھر کیا ہے ہم نے حاتم بر سر دار فنا
پھاڑیں ڈالیں گے لیکر منصب و املاک ہم

اسی سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اب شاہ حاتم بادل علی شاہ کے تکیہ کی جگہ شاہ تسلیم کے تکیہ میں اپنا وقت گذارتے تھے۔ اس وقت غالباً بادل علی شاہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ شاہ تسلیم جیسا کہ آزاد اور دیگر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے ایک نیک مرد فقیر تھے اور شاعر بھی۔ اُن کا تکیہ دہلی میں راج گھاٹ کے رستہ میں قلعہ کے نیچے ایک دلکشا اور پُرفضا مقام تھا۔ اس لئے اکثر شعروسخن کے شائق وہاں صبح و شام جاکر بیٹھا کرتے تھے۔ حاتم خود فقیر تھے اور فقیروں کے معتقد۔ چنانچہ بادل علی شاہ کے بعد انھوں نے شاہ تسلیم سے ربط و ضبط

بڑھایا اور ۱۱۶۷ھ میں اُن کی نسبت اپنی ایک غزل میں لکھا ہے۔

کہ ہندوستاں کے درویشوں میں حاتم
ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

اس تکیہ کی آمد و رفت کے متعلق ہمیں "مجالس رنگین" سے مفید اور دلچسپ مواد حاصل ہوتا ہے آزاد نے "آب حیات" میں رنگین کے حوالہ سے جو قصہ نقل کیا ہے اُسکی اصل فارسی عبارت ہم رنگین ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ تاکہ آزاد کا اصل ماخذ محفوظ ہو جانے کے علاوہ دونوں کا اختلاف بھی واضح ہو جائے

"مجلس اول در شاہجہاں آباد۔ از پنجاہ سال .... (اکرم خورد)
حضرت شاہ حاتم شاہ صاحب کہ حاتم تخلص می فرمودند و در شعر استاد بندہ بودند مدام چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ زیر قلعۂ مبارک بادشاہی است تا شام نشستہ می ماندند۔ اکثر شاگردان و مردمان دیگر کہ در خدمت اوشاں ارادت داشتند، انجا حاضر می شدند۔ روزے در ایام نومشقی، بندہ در آں تکیہ بخدمت شاہ صاحب موصوف نشستہ بود، محمد اماں خاں نثار تخلص ...ھے اکبر علی اکبر، و لالہ مکند رائے فارغ، و میاں غلام علی شاہ ... عظیم بیگ عظیم، وغیرہ چند شاگرداں و مردم دیگر حاضر ...د فرمودند کہ شب در خواب ایں شعر گفتہ بودم،

گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصراع ثانی راچنیں ارشاد فرمایند بہتر است۔

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے
ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

بمجرد شنیدن دست بندہ راگرفتہ قریب خود کشیدہ دست برسر وسینہ گردانده فرمودند کہ آفریں و تحسین۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں نہایت ترقی خواہد کرد۔ سبب این کہ دراول ابتدائے مشق این حالت است و بطرف دیگراں مخاطب شدہ فرمودند۔ مثل ہندی" ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" لیکن باز بوقت تنہائی بہ بندہ ارشاد کردند کہ در دیوان خود ہمیں قسم خواہم نوشت لیکن باز ایں قسم حرکت نخواہند کرد کہ کہ از آداب نہایت دور است۔ در تنہائی اظہار می کردند ایشاں برائے تربیت در این جامی آیند ازین جہت آگاہ کردہ شد۔"

(مخطوطہ انڈیا آفس لندن۔ ورق ۴ ۱

یہ واقعہ حاتم کی وفات کے کچھ ہی عرصہ پہلے کا
بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اور وہ یہ کہ حاتم شاہ تسلیم کر
وقت جاتے تھے۔ کیونکہ ...

عمر پائی تھی۔ درویشی اختیار کرنے کے بعد بھی حاتمؔ پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ اِس اثنا میں دنیا کی سیاست نے متعدد پلٹے کھائے۔ دہلی تباہ ہوگئی اس کے گلی کوچوں میں قتل عام ہوا، اسکے تخت پر کئی بادشاہ آئے اور گئے۔ ہندوستان کی سیاست میں انقلاب پیدا ہوگیا، بیسیوں شاعر اور صاحب کمال پیدا ہوئے، بڑھے، نام پیدا کیا اور مر گئے یہ سب کچھ حاتمؔ کی نظروں کے سامنے گذرتا رہا مگر وہ صحیح معنوں میں دنیا میں موجود نہیں تھے انہوں نے اس کو مدتوں پہلے ترک کر دیا تھا۔ اگرچہ دنیا نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ کبھی عسرت و افلاس کی شکل میں اُن کے یہاں آکر ستاتی، اور کبھی شاعرانہ چشمکوں اور معصرانہ مخالفتوں کی صورت میں اُنکے خاموش اور بے خودانہ کیف زندگی میں خلل ڈالتی۔ مگر آفرین ہے اُس شخص کی طویل اور پُر سکوت زندگی پر جس کی وجہ سے بیسیوں نوجوان، شاعر بن گئے اور متعدد شاعر صاحب کمال ہوگئے۔

حاتمؔ کی وفات کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وہ اشعار پیش کئے جائیں جو انھوں نے زمانہ کی تباہ کاریوں کے متعلق اپنے حسب حال لکھے تھے:۔

جس وقت ہم مریں تو یہی دوستاں لکھو
جائے جواب نامہ ہمارے کفن کے بیچ
یعنے کہ یہ غریب زمانے کے ہاتھ سے
جا کر بسا تھا، چھوڑ کے شہروں کو بن کے بیچ
اُس جا بھی آسماں نے نہ دی فرصت اسکے تئیں
مارا جلا کے آگ لگا تن بدن کے بیچ
چاہے تھا کچھ کہے کہ اسی دم میں ناگہاں
یوں آگئی اجل کہ رہی من کی من کے بیچ

حاتم کی تاریخ وفات کے متعلق اُردو تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے۔ آزاد اور حسرت موہانی نے دونوں خیال پیش کردیئے ہیں لیکن تحقیق و تفتیش نہیں کی اور نہ اپنے اوپر کوئی ذمہ داری لی ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ حاتم نے ۱۱۹۶ھ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ۱۲۰۷ھ میں۔ سب سے زیادہ تعجب اس واقعہ پر ہوتا ہے کہ مصحفی نے اپنے فارسی تذکرہ میں ایک تاریخ لکھی ہے اور اُردو میں دوسری۔ "عقد ثریا" ۱۱۹۹ھ کا مرتبہ ہے اُس میں حاتم کی وفات کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

"دریک ہزار و یک صد و نود و ہفت در ماہ مبارک رمضان رحلت کردہ۔ فقیر تاریخ رحلتش چنیں یافتہ۔

حاتم آں پیشوائے اہل سخن | کہ قدم در مقام فقر فشرد
حرفِ عمرش قضا بہ کزلکِ حک | چونکہ از صفحہ زمانہ سترد
سال تاریخش از خرد جستم | ناگہ ایں مصرعہ بگوشم خورد
کہ بگو مصحفی چو پرسندت | آہ صد حیف شاہ حاتم مرد"

مصحفی کا "تذکرہ ہندی" فارسی تذکرے سے دس سال بعد یعنی ۱۲۰۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ اس میں حاتم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"پیش ازیں در تذکرہ فارسی احوال او معہ تاریخ رحلتش صورت تحریر یافتہ عمر قریب بصد رسیدہ بود۔ دو سہ سال است کہ در شاہجہاں آباد ودیعت حیات سپردہ۔ خدا ایشں بیامرزد۔"

حیرت ہے کہ مصحفی "تذکرہ ہندی" میں اپنے قدیم تذکرہ کی تاریخ کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن دونوں تذکروں کے بیانات سے جو اختلاف پیدا ہوگیا ہے اسکی طرف

توجہ نہیں کی!

صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حاتم ۱۲۰۸ھ میں فوت ہوئے "تذکرۂ ہندی" بعد کا لکھا ہوا ہے اس لئے اسکی تاریخ زیادہ مستند ہو سکتی ہے۔ تذکرہ فارسی کے قطعہ تاریخ کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید اُس وقت مصحفی کو حاتم کی وفات کی غلط اطلاع مل گئی ہو۔ چونکہ وہ خود اُس وقت دہلی میں نہیں تھے اور حاتم بہت ضعیف العمر ہو گئے تھے اس لئے ان کی نسبت ایسی خبر سُن کر اُس پر یقین کر لینا اور قطعہ تاریخ لکھنا بعید از قیاس نہیں۔ چونکہ اکثر تذکرے وفات کے وقت حاتم کی عمر قریب سو سال کی بتاتے ہیں اس لئے بھی ہمیں ۱۲۰۷ھ کو صحیح ماننا پڑتا ہے۔

مذہب و اخلاق

حاتم صحیح معنوں میں صوفی منش درویش تھے۔ انھوں نے اپنے فطری ذوق کے اقتضا سے دنیاداری ترک کر کے فقر اختیار کیا تھا۔ اور فقیروں میں شامل ہونے کے باوجود اپنی وضع قطع میں زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی۔ بلکہ انھوں نے اس امر کی کوشش کی کہ فقیروں نے ترک دنیا کر کے ظاہر کی آرائش سے دور رہنے میں جو مبالغہ کیا ہے اور جسکی وجہ سے بعض دفعہ وہ شائستگی اور صفائی سے بھی محروم رہجاتے ہیں اس طریقے کو غلط ثابت کیا جائے چنانچہ فقیروں کی عام وضع کے خلاف نیمہ بھی پہنتے تھے اور صاف پاک رہتے تھے۔ البتہ آزادوں کی وضع کا شملہ باندھتے اور لکڑی اور رومال ساتھ رکھنے میں دوسرے فقرا کا ساتھ دیتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے کہ :-

"برخلاف وضع آزاداں نیمہ پوشید و بسیار با لطافت و طہارۃ می زیست و گرد مسکرات نمی گشت۔ و بصوم و صلواۃ و سائر شرعیات سخت مقید بود۔ اما دستارچہ آزادانہ بر کلاہ می بست و چوبک باریک و رومال کہ شعار آزاداں است با خویش می داشت"

(مجموعہ نغز صفحہ ۱۸۰)۔

حاتم کے حالات اور کلام دونوں ابتدا ہی سے اُن کے متوکل اور راضی برضائے خدا ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور انکی طبیعت کا یہ رجحان کچھ درویشی ہی کے زمانہ میں نہیں پیدا ہوا تھا جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے بلکہ عہد جوانی میں بھی جبکہ وہ عیش پسند امیروں اور بذلہ سنج ندیموں میں رندانہ زندگی بسر کرتے تھے، انکے یہی خیالات تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں کہتے ہیں :-

حاتم مری قسمت میں جو تحریر ہوا ہے ہونا ہے وہی، ہوگا وہی، روز ازل سے
مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے کچھ نہیں چاہتا میں حاتم ہوں

اس قسم کے خیالات انھوں نے ایک قطعہ بند غزل میں بھی ظاہر کئے ہیں جو ۱۱۶۹ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس نظم میں بظاہر انھوں نے زاہد پر اپنی ترجیح کے اسباب بیان کئے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ خوف و رجا کے مسئلہ کو حل کیا ہے۔ نظم خیالات اور اسلوب دونوں کے لحاظ سے دلچسپ ہے، کہتے ہیں :-

اِسے کہیں ہیں، سنا ہوگا شیخ، خوف و رجا
اُدھر تو توبہ، اِدھر میں گناہ کرتا ہوں
تو اپنے دل کی سیاہی کرے ہے دھو کے سپید
میں اپنا نامہ عمل کا سیاہ کرتا ہوں
تو روز سنگ سے مسجد کے سر پٹکتا ہے
میں اُس کا نقش قدم سجدہ گاہ کرتا ہوں
تجھے ہے اپنی عبادت اوپر نظر لیکن
میں اُس کے فضل کے اوپر نگاہ کرتا ہوں

خدا پر توکل اور انسان کی بے اختیاری حاتم کے مسلک کی روح رواں ہے۔ اُن کے سارے کلام میں اسی کی مہک پائی جاتی ہے۔ ۱۱۶۹ھ ہی میں

انھوں نے ایک اور قطعہ بند غزل لکھی ہے جس میں منازل عشق حقیقی و مجازی پر بحث کرتے ہیں اور اپنی بے خواہش اور قانع زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں انھوں اس غزل کو انسان کی بے اختیاری کے اظہار پر ختم کیا ہے :۔

حاتم چلی بہار، و ترے دل میں اب تلک
نے حسرتِ جنوں، نہ تمنائے یار ہے
حیرت کی نے ہوس، نہ ہوائے برہنگی
نے رنگ زرد ہے، نہ تو زار و نزار ہے
نے سوختہ جگر، نہ ترا سینہ داغدار
نے خشک لب، نہ دیدہ ترو اشکبار ہے
نے پیرہن پھٹا، نہ گریباں ترا ہے چاک
زنجیر کی صدا سے نہ تو بے قرار ہے
لڑکوں کے پتھروں سے نہ سر کو ترے ہے ربط
دیوانے کی طرح نہ تو کوچوں میں خوار ہے
نے شوقِ دشت گردی، و نے عزم سیر باغ
نے گل ہے دست میں، نہ کف پا میں خار ہے
نے صبح آہ سرد ہے، نے شام آہ گرم
نے دن کو نالہ، رات نہ تو سوگوار ہے
نے درد کی، نہ ہجر کی لذت سے تجھ کو کام
نے وصل کے مزے کا تو امیدوار ہے
پھر عاشقی کے نام کو مرتا ہے بے شعور
اس کام میں غرض کہ تو ناکردہ کار ہے

جو تھے فنونِ عشق، سو ہم تجھ کو کہہ دیئے
..(کرم خوردہ).. نظر میں لا نہ لایہ ترا اختیار ہے
سُن کر کہا نہیں تو حقیقت سے آشنا
تیری نصیحتوں سے مجھے ننگ و عار ہے
سب منزلیں مجاز کی میں کر چکا ہوں طے
میرے مقام کا تو یہ لیل و نہار ہے
نے مرگ کی تلاش، نہ جینے کی آرزو
نے فکرِ عاقبت، نہ غمِ روزگار ہے
کیا جبر ہے کہ مجھ کو کہے تیرا اختیار
گو اختیارِ بندہ تو بے اختیار ہے

استغنا اور اسباب ظاہری سے بے پروائی کے علاوہ حاتم نے خدائے تعالےٰ کی قربت کی خواہش اور اُس کے لطف و کرم کی اُمیدواری کا اظہار بھی اکثر موقعوں پر کیا ہے۔ اس قبیل کے ایک دو شعر یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

۱۱۵۴ھ — امیدوار ہے درگاہ سے تری حاتم
کریم اپنے کرم سے اُسے نہ رکھ محروم

۱۱۵۵ھ — حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

"دیوان زادہ" میں ۱۱۶۲ھ کی ایک قطعہ بند غزل ملتی ہے جس کا موضوع "گورستان" ہے اور جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاتم کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور بخشش پر یقین کامل تھا:۔

ایک دن گذرا میں گورستان میں — دیکھ کر مُردوں کو آیا دھیان میں

یہ وہی سب ہیں کہ جنکے واسطے | حق نے سب پیدا کیا اک آن میں
یہ وہی ہیں صاحبانِ قصر و ملک | بے وطن اس جنگلِ ویران میں
کس طرح یہ جامہ زیبانِ جہاں | یوں پڑے ہیں خاک کے دامان میں
کیا کیا اسمیں مٹ گئی ہیں صورتیں | کیا کیا اسمیں ہیں بھرے ارمان میں
کون اس میں نیک ہے اور کون بد | کون خوش ہے، کون ہے زندان میں
کچھ نہیں معلوم اس پردے کے بیچ | کیا کریں ہیں، ہیں گے کس سامان میں
ہے قیامت ہوگا جس دن شور حشر | ہوئے گا کیا ان پر اس طوفان میں
تھا اسی غم میں کہ ناگہ پیر غیب | کہہ گیا آہستہ میرے کان میں
تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ | مت خلل لا اپنے تو اوسان میں
رحمت حق سے نہیں کوئی نا اُمید | دیکھ لے لاتقنطو قرآن میں
سب طرح بخشے گا وہ غفار ہے | گر ترے نقصاں نہیں ایمان میں
سنتے ہی دل کو تسلّی ہوگئی | پھر کے آئی جان میری جان میں
کچھ بھروسا زیست کا حاتم نہ کر | ہے اگر تو خلقتِ انسان میں

یہاں اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ۱۱۶۵ھ سے قبل ہی حاتم کی شہرت شاعر اور باخدا درویش کی حیثیت سے تمام ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ چنانچہ اسی سال دکن میں اردو شاعروں کا ایک تذکرہ "گلشنِ گفتار" لکھا گیا تھا جس میں حاتم کا اپنے موقعہ پر ذکر کرنے کے علاوہ مصنف نے ابتدا میں بھی بطور تبرک نام لیا ہے۔ اور ان کی ایک مثنوی نقل کی ہے جو حمد و نعت اور منقبت میں ہے۔ یہ مثنوی "دیوان زادہ" میں موجود نہیں ہے۔ "گلشنِ گفتار" خواجہ حمید خاں اورنگ آبادی کی تصنیف ہے۔ اور حاتم کی زندگی ہی میں "دیوان زادہ" کی ترتیب سے ۱۴ سال پہلے لکھی گئی ہے۔ اس اہم کتاب کو ۱۹۳۱ء میں مولوی سید محمد صاحب ایم اے

استاد اُردو سٹی کالج حیدر آباد نے ایک مفید مقدمہ اور حاشیوں کے ساتھ مکتبہ ابراہیمیہ سے شائع کیا ہے۔ اسی تذکرہ سے حاتم کی مذکورہ بالا مثنوی یہاں نقل کیجاتی ہے۔ اسکے مطالعہ سے ایک تو حاتم کے مذہبی رنگ کا اندازہ ہوتا ہے دوسرے ان کے ابتدائی کلام کا اسلوب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اسکی زبان اور ترکیبیں واضح کرتی ہیں کہ دہلی میں اُردو شاعری کی ابتدا اول اول ولی اورنگ آبادی کے کلام کی ہو بہو تقلید میں کی گئی تھی:۔

الٰہی داغ سیں دل کو جلا دے
برہ کی آگ مجھ تن میں لگا دے

جلا جیوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو
شرر لبریز کر ہر استخواں کو

فنا کر عشق میں یہ جان بے تاب
کہ جیوں آتش میں گھٹ جاتا ہے سیماب

رہے منظور اک معشوق کی ذات
بطوف کعبہ و سیر خرابات

بہ آب مے نہانا آرزو ہے
نمازِ بے خودی کا یہ وضو ہے

پڑے ہیں زخم بے تابی کے ناسو
بآبِ تاک دھو مجھ دل کے انگور

کہ ہوسٹ آپ سیں یکبار جاؤں
پیمبر کی صفت کرنے کو دھاؤں

محمد صاحب ایجاد ایماں
کہ جس کی شان میں آیا ہے قرآں

سرو سردار جگ کے سروروں کا
جماعت دار سب پیغمبروں کا

رکھے ہیں جس کے دروازے پہ موسیٰ
سعادت جان دربانی کا عاصا (عصا)

مسیحا ناک گھس تجھ آستاں پر
دماغ اپنا چڑھایا آسماں پر

گئے سب انبیا اس آرزو میں
ردا اس رنگ کی کملی کسو ہیں

اتر سدرہ ستیں ہر پیر جبریل
کیا علمِ حقیقت خوب تحصیل

سریر سرورِ بابا سلیماں
چلا جن و پری پر اس کا فرماں

وہی تھا نور تیرا سات اُسکے
انگوٹھی نام کو تھی ہات اُسکے

سُلایا خاک میں اعدائے دیں کو
جگایا دین ختم المرسلیں کو

نہ اِس کے ہات سیف دوزباں ہے
شجاعت اور تہور تو عیاں ہے

نبی بوجھ اُس کا دوش اوپر سنبھالا
ہوا رتبہ امامت کا دوبالا

قلا (قلعہ) خیبر اٹھا رہیگا تزا شور
ید اللہ نے دکھایا معجزہ زور

قلا گھر توڑ کر ڈالی لڑائی
ہزیمت کافراں خندق پہ کھائی

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ
نبیؐ کے گھر کی یہ بار آوری دیکھ

خدا کے نور کا مت کر سمندر
یہی چودہ رتن کاڑھے ہیں باہر

اگر فہمیدہ حکمت آشنا ہے
اسی نسخے میں چودہ بدیا ہے

نبیؐ کی آل پر سے وار جانا
اسی بارہ پُلے سیں پار جانا

اس نظم کا آخری حصہ حضرت علی اور اُن کے پاک خاندان کے ساتھ عقیدت و محبت کا مظہر ہے۔ حاتم کے اکثر اشعار کا موضوع تولائے آل نبیؐ ہے۔ چنانچہ اس قسم کے بعض اشعار یہاں تاریخ وار درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۱۳۶ھ - دل یہاں پھرتا ہے حاتم کا نجف اشرف کے گرد
گو وطن ظاہر میں اُس کا شاہجہاں آباد ہے

۱۱۴۶ھ - حاتم ہوا ہوں آل نبی کی پناہ میں
دنیا و دیں کے غم سے نہیں کچھ خطر مجھے

۱۱۵۶ھ - شاہ مرداں کی شجاعت میں یقیں سے حاتم
قصۂ حیدری و دیکھ لے حیدر نامہ

۱۱۶۹ھ - نہ میں سنّی نہ شیعہ نے کافر
ایک لعن یزید کرتا ہوں

اسی سال یعنے ۱۱۶۹ھ میں حاتم نے ایک ایسی غزل بھی لکھی ہے جسکا زیادہ تر

حصہ قطعہ بند ہے۔ یہ قطعہ حضرت امام حسن و امام حسین کے ماتم میں لکھا گیا ہے۔ چونکہ شاعری کے لحاظ سے بھی دلچسپ ہے یہاں نقل کئے جانے کا مستحق ہے:۔

ایک دن سیرِ گلستاں کو گیا تھا حاتم
دیکھتا کیا ہے کہ یک دشت ہی کانٹوں کی بنی
رعد نالاں ہے اِدھر، ابر اُدھر گریہ کناں
سانس ٹھنڈی سی اُدھر لے ہے نسیمِ چمنی
جیب گل چاک، اِدھر غنچہ گرفتہ خاطر
بلبلِ غمزدہ کرتی ہے اُدھر نعرہ زنی
ریں ہے آج اِدھر سرو کے پیراہنِ سبز
پہن بیٹھی ہے اُدھر فاختہ بھگواں کفنی
باغبانوں سے جو پوچھا کہ یہ کیا باعث ہے
کہا رو کر کہ یہ ماتم ہے حسین و حسنی

حاتم کے مذہب کے بیان میں اس واقعہ کا اظہار بھی مناسب ہے کہ وہ محض ایک دین دار اور خشک مزاج فقیر ہی نہ تھے بلکہ خوش مزاج اور خلیق بھی تھے۔ مجموعہ نغز میں ان کے اخلاق و عادات کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"بسیار آزادانہ زندگی می نمود وخیلے خوش مزاج و خلیق بود.....
نیک دین و صاحب یقین و شاعرے بود باتمکین" (صفحہ ۱۸۰)

احباب اور شاگرد

حاتم اپنے ہم مشرب بزرگوں کی طرح اپنی خندہ پیشانی، اخلاص و مروت اور یار باشی میں شہرت رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن کے دوستوں کی تعداد زیادہ نہ تھی لیکن جہاں کسی سے انھوں نے ربط پیدا کر لیا اس کو مدتوں نباہ دیا۔ اس واقعہ کا ذکر پہلے گذر چکا ہے کہ جب حاتم نے ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی تو ان کے بعض غرضی دوست اُنسے جُدا ہو گئے۔ حاتم کو اس کا احساس ضرور ہوا کیونکہ وہ بے دوست زندگی کو بے لطف سمجھتے تھے۔ چنانچہ "دیوان زادہ" کی دوسری ہی غزل میں وہ اپنی یار باش اور آشنا پرست طبیعت کو اس طرح بے نقاب کرتے ہیں :-

میں ایک روز چلا جائے تھا بیاباں کو
خراب و خستہ و حیران و ناتواں تنہا
جو اُس میں حضرت صاحب نے مجھکو فرمایا
کہ دیکھتا ہوں میں تجھ کو جہاں تہاں تنہا
نہ ہوویں یار تو کیا زندگی ہے اے حاتم
"چہ حظ کند خضر از عمر جاوداں تنہا"

یہ شکایت انکو غالباً ہمیشہ نہیں رہی۔ اُن کی اخلاقی وسعت اور باطنی کمال نے انکے بہت سے احباب اور معتقد پیدا کردئے تھے۔ نواب فاخر خاں سے اُن کو جو تعلق خاطر تھا اُس کا ذکر گذر چکا ہے۔ بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم کے ساتھ انکا خلوص و عقیدت بھی ظاہر ہو چکا ہے۔ "مجالس رنگین" کی جو طویل فارسی عبارت نقل کی گئی ہے وہ بھی شاہد ہے کہ کس طرح حاتم کے یہاں اہلِ ذوق جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور اگر نوجوان شاگردوں سے بے ادبی یا خلاف آداب مجلس کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو حاتم کس خوبی کے ساتھ اُن کی تادیب کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ "تذکرہ گلشنِ گفتار" میں جو ان کی وفات سے ۳۲ سال پہلے دکن میں تصنیف کیا گیا تھا ان کی نسبت لکھا ہے:-

"مرد صاحب ہمت و طبیعت عالی دارد"

اگرچہ شاہ حاتم کی نشست گاہ خود مرجعِ احباب تھی مگر وہ بھی خاص خاص اشخاص کے یہاں کبھی کبھی ہو آتے تھے۔ خصوصاً مشاعروں میں جانا تو آخر عمر تک ترک نہیں کیا تھا۔ چونکہ عمر اور مشق سخن کے لحاظ سے اپنے تمام ہمعصروں میں فضیلت رکھتے تھے اس لئے ہر جگہ اُن کی کماحقہ عزت بھی ہوتی تھی۔ مصحفی نے اپنے تذکرۂ شعرائے فارسی میں لکھا ہے "نام نامیش ازبس شہرت بسیار مذکور زبان صغار و کبار۔" اور پھر "تذکرۂ ہندی گویاں" میں واضح کرتے ہیں کہ کس طرح حاتم اُن کے مشاعروں میں آتے اور عہد گذشتہ کا ذکر چھیڑتے۔ کہتے ہیں:-

"در ایامے کہ فقیر در شاہجہاں آباد طرح مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ فرمودہ در مجلس نشستہ زمانۂ سابق خود را می ستودہ۔"

ضمیر اپنے ہمعصروں میں حاتم کو سید ہدایت علیخاں ضمیر سے خاص تعلق تھا۔

یہ دہلی کے رہنے والے، نصیر الدولہ بخشی الملک اسد جنگ کے خطاب سے سرفراز، اور نواب شجاع الملک محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کے عزیز تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے عظیم آباد گئے تھے جہاں اپنی شجاعت وسخاوت کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیل "گلزار ابراہیم" میں لکھتے ہیں:۔

"چندے بہ صوبہ داری عظیم آباد بہ نیک نامی گذرانیدہ آخر بنابر فقرات کہ تحصیل آں تطویل می خواہد در دہلی و اطراف آں بحصول بعضے خدمات بادشاہی بکام و ناکامی بسر بردہ۔ اوایل سلطنت شاہ عالم بادشاہ باز بعظیم آباد آمدہ رحل اقامت انداخت و در حسین آباد برحمت الٰہی پیوست۔ گاہے بموزونی طبع شعر ریختہ و فارسی می گفت۔" (مخطوطہ برٹش میوزیم)

گارساں دتاسی نے ضمیر کی ایک نظم "ہولی" کی بڑی تعریف کی ہے اور فرانسیسی میں اس کا ترجمہ بھی کیا۔ یہ ترجمہ پیرس کے بلند پایہ رسالہ "ژورنال دے ساواں" (جریدہ علماء۔ ۱۸۳۲ء صفحہ ۴۸۵) میں شایع ہوا تھا۔ گویا آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے۔ "تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی" میں بھی یہ ترجمہ منقول ہے۔ (جلد سوم صفحہ ۳۳۰) اور اسکے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ضمیر نے ایک دلچسپ نظم لکھی تھی۔

ضمیر اور حاتم کے روابط میں ترقی دراصل اس وقت ہوئی تھی جبکہ اول الذکر عظیم آباد کی صوبہ داری چھوڑ کر دہلی واپس ہوئے تھے "دیوان زادہ" میں کئی غزلیں ایسی ہیں جو ضمیر کی فرمایش پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں پانچ ایسی بھی ہیں جو ضمیر ہی کی زمین میں کہی گئیں۔ اس طرح کی پہلی غزل ۱۱۶۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا پہلا مصرع ہے:۔

اس معرکہ میں کس کو ہے جرأت جو مر سکے

اسی غزل کے مقطع میں حاتم نے ضمیر کی شاعری کی تعریف بھی کی ہے جو اسلئے قابل ذکر ہے کہ تمام "دیوان زادہ" میں صرف ایک دو ہی شعر ایسے ملتے ہیں جن میں کسی شاعر کی تعریف کی گئی ہو۔ وہ کہتے ہیں :-

حاتم قسم ہے ایسی غزل اس زمیں میں فکر
جز صاحب ضمیر کے کوئی نہ کر سکے

سنہ ۱۱۶۲ھ ہی میں ضمیر کی فرمایش پر انہی کی زمین میں شاہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے :-

اے خردمندو مبارک ہو تمھیں فرزانگی

بعد کے مسلسل تین سالوں میں بھی حاتم نے تین غزلیں ضمیر کی زمینوں میں لکھی ہیں جن کے پہلے مصرع یہ ہیں :-

سنہ ۱۱۶۳ھ - دیکھ اس گلرو کو دل کیونکر نہ ہووے باغ باغ
سنہ ۱۱۶۴ھ - یک تماچے میں کبودی کر دیا رنگ فلک
سنہ ۱۱۶۵ھ - کیونکر نہ کرے آج مرا جلوہ گری رنگ

فغاں حاتم کے ایک دوسرے دوست اشرف علی خاں فغاں تھے جو مرزا علی خاں زکنہ کے فرزند اور شیخ علی قلی ندیم کے شاگرد تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور خوش طبع ہونے کی وجہ سے کوکہ خاں ظریف الملک کے خطابات سے بھی سرفراز تھے۔ ضمیر کی طرح یہ بھی عظیم آباد گئے تھے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حاتم کے یہ دونوں دوست اسی نواح میں فوت ہوئے۔ اردو کے مطبوعہ تذکروں میں فغاں کے تفصیلی حالات موجود ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ ہمعصر تذکرہ نویسوں میں اکثروں سے فغاں کی دوستی تھی۔

"دیوان زادہ حاتم" کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ حاتم اور فغاں میں گہرا تعلق خاطر تھا۔ ضمیر کی طرح فغاں بھی شاہ صاحب کی شاعری کے قدردان تھے اور ان سے غزلوں کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ لیکن خود حاتم اپنے دوست فغاں کے کمال شاعری کے کچھ کم معترف نہ تھے۔ انھوں نے ایک غزل میں ۱۱۶۲ھ میں لکھا ہے :۔

ہند کی گفتگو انوکھی ہے — چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں
خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم — سب سے ہے خوب تر فغاں کی زباں

حاتم نے کسی اور ہمعصر کی شاعری کی اتنی تعریف نہیں کی۔

فغاں کی زمینوں میں حاتم کی جو غزلیں "دیوان زادہ" میں موجود ہیں انکی تاریخ وار فہرست یہ ہے :۔

۱۔ ۱۱۵۹ھ ۔ تیرے ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں
۲۔ ۱۱۶۱ھ ۔ گر تجھ سے دل آزار سے دل یار ہوتا
۳۔ " ۔ جو ذائقہ سے درد کے دل آشنا نہیں
۴۔ ۱۱۶۲ھ ۔ وہ چشم سیہ راہ میں جاتے نظر آیا
۵۔ ۱۱۶۲ھ ۔ ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا
۶۔ ۱۱۶۶ھ ۔ کہ ہنسنے کو ترستا ہے مرا دل

میر اسلم

شاہ حاتم کے دوستوں کے سلسلے میں میر اسلم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ صاحب غالباً بڑے شاعر نہیں تھے۔ تذکروں میں ان کا ذکر موجود نہیں۔ لیکن یہ حاتم کے خاص دوست تھے اور ایسے دوست جن کی تعریف میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

دوست مشفق بہت ہیں یارو و حاتم کا دل — خاص کر اکثر رہے ہے میر اسلم کی طرف

"دیوان زادہ" میں غزل نمبر ۲۶۵ انہی میر اسلم کی زمین میں ۱۱۶۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ اسکا پہلا مصرعہ یہ ہے:-

بہت سے باغ میں دیکھے ہیں ہم سرو

ان چند احباب کے تذکرے کے بعد شاگردوں کے ساتھ شاہ حاتم کے تعلقات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ سب تذکرہ نویس مانتے ہیں کہ شاہ حاتم اپنے شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ منصفانہ اور مساویانہ سلوک کرتے تھے۔ کبھی اپنی استادی پر بے جا تعلّی نہیں کی اور نہ استحقاق بزرگی کا اظہار کیا۔ ان کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے مگر ان میں جو کسی نہ کسی وجہ سے اہمیت رکھتے ہیں اُنکے نام یہ ہیں:-

مرزا رفیع سودا[1]، مرزا سلیمان شکوہ، عبدالحی تاباں[2]، سعادت یار خاں رنگین[3]، شیخ محمد اماں نثار[4]، بقاء اللہ خاں بقا[5]، میر آفتاب علی منیر، لالہ مکند لعل فارغ[6]، مردھے علی اکبر اکبر، میر محمدی بیدار، بہادر سنگھ بہادر[8]، مرزا عظیم بیگ عظیم[9]۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور شاگرد سودا ہیں جن پر حاتم کو بجا طور پر فخر تھا۔ چنانچہ تذکرۂ قدرت اللہ خاں قاسم کے حوالہ سے منشی کریم الدین نے لکھا ہے:-

نظرِ انصاف اس کی کا کیا حال لکھوں۔ ہدایت اللہ خاں ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ بارہا میں نے سنا ہے کہ حاتم یہ شعر پڑھا کرتا تھا:-

از ادب صاحب خموشم ورنہ در ہر وادیے
رتبۂ شاگردی من نیست استادِ مرا

اور کہا کرتا تھا کہ یہ شعر میری استادی اور مرزا رفیع کی شاگردی

---

[1] تذکرہ مصحفی [2] مجموعہ نغز و عیار الشعرا [3] مجموعہ نغز [4] عیار الشعرا [5] عیار الشعرا [6] عیار الشعرا و عمدۂ منتخبہ و مجموعۂ نغز۔

کے حق میں ہے"۔

خود ہدایت کے الفاظ یہ ہیں :-

"بارہا از زبان نصفت بیان آن استاد دوران شنیدہ ام
کہ این مصرعہ خواند ع

رتبۂ شاگردی من نیست استادِ مرا

و می گفت حقا کہ این در حق استادی من و شاگردی مرزاست"
(مجموعۂ نغز صفحہ ۱۸۰)۔

حاتم کے دوسرے قابل ذکر شاگرد میر عبدالحئی تاباں ہیں۔ ان کے متعلق اردو تذکروں میں بہت سی معلومات موجود ہیں۔ اسلئے یہاں صرف حاتم کے ساتھ ان کی عقیدت اور اُن پر حاتم کی مخصوص نظر عنایت کا ذکر کافی ہے۔ تاباں کی ذہنی نشوونما دراصل حاتم ہی کی فیض باریوں کی ممنون احسان ہے۔ حاتم نے ایک سے زیادہ شعروں میں تاباں کا ذکر کیا ہے اور ان شعروں کے سنین تصنیف پر غور کرنے سے تاباں کی تاریخ پیدائش اور عمر وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

میر اور گردیزی کے بیانات کے مطابق تاباں ۱۱۶۵ھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن ٹھیک تاریخ وفات کا علم نہیں ہے۔ علی ابراہیم خاں اور علی لطف لکھتے ہیں کہ محمد شاہ کے عہد حکومت میں تاباں فوت ہوئے۔ یعنی ۱۱۶۱ھ سے پہلے۔ حاتم کے "دیوان زادہ" میں ایک شعر ایسا موجود ہے جو ۱۱۵۷ھ میں لکھا گیا ہے اور جس میں تاباں کو زندہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں :-

ریختہ کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تاباں کا انتقال ۱۱۵۷ھ اور ۱۱۶۱ھ کے درمیانی زمانہ میں

ہوا ہے۔ اس شعر سے یہ بات بھی واضح ہے کہ تاباں آخر عمر تک حاتم کے شاگرد رہے۔

شعرائے اردو کے تذکروں میں تاباں کے تلمذ کی نسبت اختلاف خیال پھیلا ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مظہر کے شاگرد تھے اور بعض سودا کا نام پیش کرتے ہیں۔ اکثروں نے لکھا ہے کہ آخر میں محمد علی حشمت کی شاگردی اختیار کی۔ اور پھر یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ محتشم علی خاں حشمت ان کے استاد تھے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تاباں اصولی طور پر اگر کسی کے شاگرد کہے جا سکتے ہیں تو وہ حاتم ہی کے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی انھوں نے دوسرے شاعروں سے بطور ہمعصر اپنے کلام کے نسبت مشورہ کیا ہو۔

برٹش میوزیم لندن میں تاباں کا ایک نفیس دیوان موجود ہے۔ مطالعہ کے دوران میں راقم نے اس سے چند اشارے جمع کر لیے تھے۔ اس وقت جب ان کا غذوں پر نظر ڈالی گئی تو تاباں کے چند ایسے اشعار بھی مل گئے جو اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل کر دیتے ہیں۔ ان میں چند شعر تو وہ ہیں جن میں تاباں نے حاتم کے مصرعوں یا غزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے یا انہی کی تضمین کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

کہا ہے دیکھ تاباں راست اس خوش قد کو حاتم نے
اہا ہا ہا، اہا ہا ہا، اہا ہا ہا

تاباں خزاں کے آنے کی حاتم سے سن خبر
بلبل اٹھی پکار چمن سے کہ ہائے گل

تاباں کی طرف حاتم کی مستقل توجہ کے متعلق شاہ صاحب کا ایک شعر ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اسی زمین میں "دیوان تاباں" میں بھی ایک شعر ملتا ہے جو گویا حاتم کے اس مذکورہ شعر کا نہایت مناسب اور واضح جواب ہے۔ تاباں

کہتے ہیں:۔

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اُس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

حاتم کے جواب میں یہ شعر یقیناً ۱۱۵۰ھ کے بعد لکھا گیا ہے۔ گویا تاباں کی وفات سے دو تین ہی سال قبل۔ ایسی صورت میں یہ خیال بالکل غیر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ تاباں نے آخر زمانہ میں حاتم کی شاگردی ترک کر دی تھی۔

اسی سلسلہ میں تاباں کے اُس شعر کا ذکر بھی ضروری ہے جس میں وہ حاتم کو اُردو کا بے نظیر استاد مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو دکھاؤں تاباں
اس سوا دوسرا کوئی ہند میں اُستاد نہیں

یہ شعر بہت ممکن ہے اُن معترضین کے جواب میں لکھا گیا ہے جو تاباں کو حاتم کی شاگردی سے منحرف کرنا چاہتے تھے۔

آخر میں ہم حاتم کا وہ شعر نقل کرتے ہیں جو تاباں کے زمانۂ پیدائش پر روشنی ڈالتا ہے اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر کیا ہوگی۔ ۱۱۳۵ھ میں حاتم لکھتے ہیں:۔

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا

ہم نے اوپر ظاہر کر دیا ہے کہ تاباں ۱۱۶۱ھ سے پہلے اور ۱۱۵۷ھ کے بعد فوت ہوئے۔ اگر ہم ۱۱۶۰ھ کو ان کی تاریخ وفات فرض کریں تو حاتم کا یہ شعر تاباں کی وفات سے گویا پچیس سال پہلے لکھا گیا۔ اس موقعہ پر یہ امر قابل غور ہے کہ تمام اُردو تذکرے اس واقعہ پر متفق ہیں کہ تاباں نے عنفوان شباب میں انتقال کیا۔

عنفوانِ شباب سے تذکرہ نویسوں کی مراد غالباً یہی ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے کیونکہ اگر کوئی شخص چالیس سال سے زیادہ کی عمر میں فوت ہو تو اسکو جوانمرگ نہیں کہہ سکتے۔

اِن دونوں واقعات کے ملانے سے جو نتیجہ نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر تاباں نے ۱۱۶۰ھ (یا اس کے قریبی زمانہ) میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا تو ۱۱۳۵ھ میں انکی عمر ۱۵ سال قرار پاتی ہے اور اس طرح انکی تاریخ پیدائش غالباً ۱۱۲۰ھ کے قریبی زمانہ میں معین ہو سکے گی۔ شعر کے لفظی معنوں پر غور کرنے سے بھی یہی خیال صحیح ثابت ہوتا ہے۔ اور "طفلِ مکتب" کا اشارہ تو اس امر کا بھی امکان پیدا کر دیتا ہے کہ تاباںؔ کی عمر اس شعر کی تصنیف کے وقت ۱۵ سال سے بھی کم ہوگی۔

آخر میں اس واقعہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حاتم نے اپنے شاگرد کی زمین میں بھی ایک غزل کہی ہے۔ اور وہ اس غزل پر سرخی سے یہ لکھتے ہوئے نہیں فرماتے کہ "برزمین تاباںؔ" حاتمؔ نے یہ غزل ۱۱۵۸ھ میں (گویا تاباں کی وفات سے ایک دو سال قبل) کہی تھی۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

واعظ نہی کو امر کہے امر کو نہی

سوداؔ اور تاباںؔ کے علاوہ حاتمؔ کے بیسیوں اور شاگرد تھے۔ اور ان سب کے ساتھ شاہ صاحب کا برتاؤ مساویانہ اور منصفانہ تھا۔ ان کی طبیعت اور مشرب کا اقتضا ہی یہ تھا کہ وہ ہر کس و ناکس کے ساتھ خندہ پیشانی اور مروت و اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ وہ نہ صرف میر دردؔ کی طرح اپنی بزرگی اور صوفیانہ روش کی وجہ سے اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے بلکہ مرزا مظہرؔ کی طرح حسن کارانہ ذوق اور خوش طبعی کے باعث نوجوان طبقہ میں بھی مقبول تھے۔ ایک طرف نواب عمدۃ الملک امیر خاں اور اشرف علی خاں فغاںؔ جیسی ظریف اور بذلہ سنج ہستیوں کا

اثر تھا تو دوسری طرف بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم جیسے بے ریا درویشوں کے فیض صحبت سے بھی بہرہ مند ہوئے تھے۔ یہی حال اُن کے کلام کا بھی ہے جس پر آئندہ ایک عنوان میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔ جہاں آزادی خیال اور نزاکت مضمون میں حاتم کی شاعری مظہر، یقین اور تاباں سے ملتی جلتی ہے وہیں تصوف کی چاشنی اور کائنات کے متعلق اپنے خاص نقطۂ نظر کے لحاظ سے درد، میر اور نظیر کے کلام کے پہلو بہ پہلو ہے۔ بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جن کے حالات زندگی اور خصوصیات شعر میں اس حد تک مناسبت رہی ہو۔

معاصرانہ چشمکیں اور فیضانِ سُخن

حاتم کے حالات زندگی مکمل نہیں سمجھے جا سکتے جب تک کہ ان کے فن کارانہ پہلو کو واضح نہ کیا جائے۔ کیونکہ اُردو ادب کی تاریخ میں جہاں حاتم کی شخصیت اہم ہے اُن کی زندگی کے ان واقعات کو بھی برابر کی اہمیت حاصل ہے جو دہلی کی ابتدائی اردو شاعری کے نشوونما میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ صاحبان کمال کے آپس میں ہر زمانہ میں اختلافات اور چشمکیں رہی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو زندگی اور فن میں تنوع اور ترقی ممکن نہیں۔ حاتم نے جب ولی کی تقلید میں اُردو شاعری شروع کی تو دہلی کے دیگر شعرا مثلاً آبرو، ناجی، یکرنگ، مظہر اور فغاں بھی اسی راستہ پر ہو لئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ قافلہ اتنا بڑھتا گیا کہ عبدالقادر بیدل اور سراج الدین علی خاں آرزو جیسے بوڑھے پہلوانان فارسی گو بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ ضعیف العمری کی وجہ سے یہ دونوں بہت جلد اس قافلہ سے جدا ہو گئے۔

دہلی کے اس قافلۂ اُردو میں حاتم ایک ہدی خواں کا مرتبہ رکھتے تھے۔ اور اگر کوئی اس دور میں ان کے ہمسر سمجھے جا سکتے تھے تو وہ آبرو اور ناجی تھے۔ لیکن ان دونوں کو حاتم جیسی طویل عمر نہ ملی۔ اسلئے انکا کلام زیادہ تر ایہام گوئی پر مشتمل رہا۔ ورنہ وہ بھی حاتم کی طرح اپنے اسلوب میں اصلاح کر لیتے۔

آبرو اور حاتم کے تعلقات تو غالباً خوشگوار تھے لیکن میر محمد شاکر ناجی سے اُن کی شناید کبھی نہ نبھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ناجی بھی نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے یہاں ملازم تھے۔ لیکن اس امر کا پتہ نہ چل سکا کہ حاتم اور ناجی دونوں ایک ہی زمانہ میں اس سرکار سے تعلق رکھتے تھے یا ناجی کی وفات کے بعد عمدۃ الملک نے حاتم کی سرپرستی کی۔ اتنا ضرور ہے کہ حاتم کا کمال اور شہرت ناجی کیلئے ناگوار تھا اور انھوں نے اپنی طبیعت کے مطابق اکثر مشاعروں میں حاتم پر حملے کئے۔ ناجی کی نسبت اتنا معلوم رکھنا ضروری ہے کہ انھیں ہجو گوئی میں لطف آتا تھا۔ اور دراصل وہ اُردو کے پہلے ہجو نگار ہیں۔ اور اگرچہ حاتم کے ایک شاگرد سودا نے اس صنف میں بعد کو بڑی شہرت حاصل کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سودا نے اپنے استاد کے حریف ناجی کے جواب میں ہجو گوئی شروع کی تھی جو نقش ثانی کے درجے تک پہنچ گئی۔ ناجی کی نسبت تذکرہ طبقات الشعرا میں لکھا ہے:۔

"بہت شوخ مزاج تھا۔ ہر کسی کی ہجو کرتا۔ راہ چلتے سے لڑتا تھا۔ ہر ایک سے بھڑتا تھا۔ اوس سے ہر ایک کو نجات پانی مشکل تھی۔ بجائے ناجی کے اگر ہاجی تخلص اختیار کرتا تو میرے نزدیک بہت بہتر تھا۔" صفحہ ۱۲۰

اس کا ثبوت خود حاتم کے ایک شعر سے ملتا ہے جو ۱۱۳۷ھ کی ایک غزل کا مقطع ہے۔ یہ غزل حاتم نے ناجی ہی کی زمین میں لکھی تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

نہ تھا ناجی کو لازم طعن کرنا ہر سخن گو پر
جواب اس غزل کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہہ لا

اس مقطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناجی نے اپنے عہد کے ہر شاعر پر طعن کیا تھا اور اگرچہ حاتم ان کی غزل کے جواب میں غزل لکھتے ہیں لیکن ناجی کی ہجو نہیں کرتے بلکہ

اپنی سلامتی طبع اور صلح پسندانہ طبیعت کے مطابق صرف اتنا کہتے ہیں کہ "ہر سخن گو پر طعن کرنا ناجی کو لازم نہ تھا"۔

اس چشمک کا سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا۔ اور اس اثنا میں حاتم پر کئی بار حملے کئے گئے اور انھوں نے بھی بارہا جواب دئے۔ لیکن ہر بار حاتم کا انداز مفاہمانہ اور صلح جو رہا۔ یہ اور بات ہے کہ اس سلسلہ میں بعض وقت وہ اپنی افتاد طبع کے خلاف شاعرانہ تعلی پر بھی مجبور ہو گئے۔ اس قسم کے بعض شعر آگے درج کئے جائینگے۔ یہاں حاتم کا ایک دوسرا شعر درج کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے ناجی کو ایک اور بار نصیحت کی ہے کہ ؎

سخن میں فخر اپنا بن کہے رہتا نہیں ناجی
اُسے سمجھائے حاتم کس طرح اشعار کہہ کہہ کے

یہ بھی ایک ایسی غزل کا مقطع ہے جو ناجی کی زمین میں بطور جواب لکھی گئی تھی۔

ناجی کی وفات کے بعد اگرچہ حاتم کے معاصرین میں کوئی ایسے شاعر باقی نہ رہے تھے جو ان کے استادانہ کمال کے معترف نہ ہوں لیکن نوجوان شعرا میں میر تقی میر نمایاں ہو رہے تھے جنکی افتاد طبع ناجی سے ملتی جلتی تھی۔ اور جنھوں نے طعن و تشنیع کے میدان میں آخر کار ناجی کی جگہ سنبھال لی۔

میر تقی میر اور شاہ حاتم کے درمیان صفائی نہیں تھی اور جیسا کہ مصنف گل رعنا نے لکھا ہے ہو بھی نہ سکتی تھی۔ کیونکہ شاہ حاتم میر کے حریف سودا کے استاد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں حاتم کو مرد مغرور لکھا ہے اور انکی استادی اور محاسن کلام کا اعتراف نہیں کیا۔ اسکے علاوہ میر جب تک دہلی میں رہے وہاں کے مشاعروں میں حاتم پر چوٹیں چلتے رہے۔ چنانچہ مصحفی نے اپنے تذکرہ ہندی میں بھی اسکی یوں شہادت دی ہے کہ

"میر محمد تقی میر کہ شاعرے است جادو کار اکثر او (حاتم) را در مشاعرہ بطریق ظرافت داہ الشعرا می گفت"۔

میر تقی میر کا حاتم پر اس طرح ظریفانہ چوٹ کرنا ان کی افتاد طبع کے لحاظ سے کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ نکات الشعرا میں کون شاعر ہے کہ جس کو میر نے نشانۂ ملامت نہیں بنایا؟ لیکن اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو گی کہ خود حاتم اپنے شاگرد سودا کے اس نوخیز حریف کو خاطر میں نہ لاتے ہونگے۔ صاحب گل رعنا نے بالکل ٹھیک رائے قائم کی ہے کہ :-

"چونکہ مرزا رفیع حاتم کے شاگرد تھے اور وہ میر صاحب کے حریف تھے کیا عجب کہ شاہ حاتم میر صاحب کو خاطر میں نہ لاتے ہوں"

ص ۱۱۶

لیکن شاہ حاتم خاموش رہنے والے انسان بھی نہ تھے۔ انھوں نے میر کی ان ہی گستاخیوں کے جواب میں ۱۱۵۶ھ کے ایک مشاعرہ میں اس طرح جواب دیا کہ

کہاں ہیں کون ہیں آ رو بہ رو ہوں
جو ہیں گے نکتہ چیں صاحب سخن کے

وگرنہ کام کیا ہے ہم کو اُن سے
پڑے پھوڑیں پھپھولے اپنے من کے

ہمارا اشانہ جوں ہر مو زباں ہے
کہ ہم ہیں گے سخن گو بانپن کے

اگر ہوشیار ہیں تو بوجھ جاویں
کہ پھر اُلجھیں گے ہم دیوانہ بن کے

ہماری گفتگو سب سے جُدا ہے
ہمارے سب سخن ہیں بانکپن کے

وہی ہیں ریختہ کے فن میں استاد
جو ہیں گے آشنا حاتم کے فن کے

اس غزل کا مقطع ظاہر کرتا ہے کہ میر تقی میر اسوقت سودا کے مقابلہ میں اپنی استادی کا دعویٰ بھی کرنے لگے تھے اور اسی لئے حاتم نے تعلّی کی ہے کہ جو ہمارے فن اور اسلوب سے آگاہ ہیں وہی فن ریختہ میں استاد بن سکتے ہیں۔

اس طرح میر تقی میر کے مقابلہ میں اس بوڑھے شاعر نے سودا کی استادی کو مسلم قرار دیا ہے۔ اور غالباً میر ہی کے دعوئے فضل وکمال اور طرح طرح کی تعلیوں کے جواب میں شاہ حاتم نے یوں نصیحت کی تھی کہ

نقص ہے حاتم جو کوئی ظاہر کرے اپنا ہنر
دیکھ لے دل میں چھپا رکھتا ہے جوہر آئینہ

میر کے تذکرہ نکات الشعرا کی تالیف کے ایک سال بعد ہی ۱۱۶۶ھ کی ایک غزل میں حاتم نے یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

تھا ابھی ہم پاس ابھی جا نا رہا اوروں کے پاس
آشنائی میں وہ لڑکا گنجفہ کا میر ہے

کوئی تعجب نہیں کہ حاتم نے اس شعر میں میر تقی میر ہی پر پھبتی کہی ہو کیونکہ وہ پہلے پہلے دلی کے دوسرے نوجوان شعرا کی طرح حاتم کے معتقد تھے اور بعد کو محض سودا سے رشک کی بنا پر اس بوڑھے استاد سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ یہ شبہ اسلئے بھی یقین سے مبدل ہو جاتا ہے کہ اس آخری شعر کے بعد ہی اس غزل کے مقطع میں میر کی بے ادبی کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے ؎

مرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے

یہ ظاہر ہے کہ میر نے اپنے تذکرہ میں شاہ حاتم کے ساتھ نمایاں بے ادبی اور گستاخی کا برتاؤ کیا تھا۔

---

[1] سودا فن شعر میں حاتم کے جس رنگ سے آشنا تھے اس کا ذکر حاتم کی غزل گوئی کے عنوان کے تحت درج ہوگا۔

اسی سال ایک دوسری غزل کے مقطع میں حاتم لکھتے ہیں ؂

محتسب ہم سے عبث کینہ رکھے ہے حاتم

جو نشا ہم نے پیا ہے وہ نشا اور ہی ہے

یہ شعر شاید میر کے اس استفسار کا جواب ہے کہ

"دریافتہ نمی شود کہ این رگ کہن بسبب شاعری است کہ ہم چون دیگرے نیست یا وضع او ہمین است"۔

(نکات الشعرا صفحہ ۸۷)

گویا حاتم نے اپنے غرور کا سبب خود ہی بیان کر دیا کہ میں نشۂ عرفاں میں سرمست ہوں۔ شاعرانہ کمال پر گھمنڈ نہیں ہے۔ چنانچہ اسکے بعد کی ایک غزل میں یہ بھی لکھدیتے ہیں ؂

مدح و ذم سے نیک و بد کی کام کیا حاتم مجھے

بندۂ مولانا شاعر ہوں نہ شاعر پیشہ ہوں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت حاتم اپنی فقیری میں مست تھے اور خود ان کو اپنی بد دماغی کا بھی احساس تھا۔ چنانچہ اسی سال ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں ؂

مفلسی اور دماغ اے حاتم کیا قیامت کرے جو دولت ہو

یہی رنگ حاتم کے کلام میں بعد کو بھی عرصہ تک جاری رہا۔ چنانچہ ۱۱۷۲ھ کی ایک غزل کا مقطع بھی اس کا شاہد ہے ؂

شعر استادانہ و حاتم ہے مرزایانہ وضع

طبع آزادانہ و اوقات درویشانہ ہے

لیکن جب تک میر تقی میر دلی میں رہے اور مشاعروں میں شاہ حاتم سے انکی آنکھیں دوچار ہوتی رہیں تو اس بوڑھے استاد کی غیر معمولی مقبولیت کے باعث اتنی ہمت نہ ہوئی کہ علی الاعلان مخالفت کرتے بلکہ جیسا کہ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ وہ شاہ حاتم کو اپنے

حلقہ میں بطور ظرافت "داہ الشعرا" کہا کرتے تھے۔ لیکن ناجی کی طرح کبھی کسی غزل میں حاتم پر چوٹ نہیں کی۔ خود حاتم نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

کیا ہوا گر متفق ہو جھپ کے کرتے ہیں بدی
روبرو حاتم کے سب آکر کمر تے ہیں رقیب

میر تقی میر خود بھی حاتم سے زیادہ مغرور اور خود بیں شاعر تھے اور ان کو تو محض اپنے کمال فن کا گھمنڈ تھا۔ لیکن حاتم نہ صرف شاعر تھے بلکہ ایک درویش اور بافیض استاد بھی تھے۔

میر تنہائی کی زندگی کے دلدادہ اور محفل آرائی سے متنفر تھے۔ اسکے برخلاف حاتم کا دربارِ عام اور فیض جاری آخر دم تک قایم رہا۔ ان کی بارگاہ ہر کس و ناکس کیلئے کھلی تھی اور ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان کے شعر و سخن اور تصوف و عرفاں کی فیاضیوں سے بہرہ یاب ہوتا تھا۔ اس طرح دلی کے نوجوانوں میں اُردو کا ذوق عام کرنے میں حاتم نے جو حصّہ لیا ہے وہ اس زبان کی تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اور اس خصوص میں حاتم کو جو شرف حاصل ہے میر اُس سے بالکلیہ محروم ہیں۔ اور شاید اسی محرومیت کا احساس تھا جس نے انکے قلم سے حاتم کے خلاف نامناسب الفاظ لکھوا دیئے۔

حاتم نے اپنے فیض صحبت سے شمالی ہند اور خاص کر دہلی میں اُردو شاعری کا ذوق جس خوبی سے پھیلایا اس کا اعتراف اُردو کے تقریباً سب تذکرہ نگار کرتے ہیں۔ لیکن خود حاتم کو بھی اپنی اس خصوصیت کا احساس تھا چنانچہ اپنے کلام میں بھی انھوں نے بعض جگہ اسکی طرف اشارہ کیا ہے اسلیئے یہاں چند ایسے شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں حاتم کے فیضان عام کا تذکرہ خود ان کے الفاظ میں محفوظ ہو گیا ہے:۔

خاص ہمت کا بیاں اس کی بخیلوں سے کہو
دیکھو حاتم نے کہ اب فیض سخن عام کیا

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند بیچ
محفل یکتنب تھا سو عالم بیچ تاباں گیا

رات دن جاری ہے عالم بیچ مرا فیض سخن
گو کہ ہوں محتاج پر حاتم ہوں ہندوستاں کے بیچ

فیض کے کوئی نام سے واقف نہ تھا
ہے جہاں میں نامور حاتم سے فیض

غزل گوئی

حاتم کی شخصیت، خانگی حالات اور انکی زندگی کے اہم افادی پہلوؤں کے مقابلہ میں انکی غزلگوئی اگرچہ ہماری نظر میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن بہرحال وہ ایک بڑے اور دہلی کے پہلے اُردو شاعر تھے اور اُردو دنیا ان کو محض ایک شاعر ہی کی حیثیت سے جانتی ہے اسلئے ان کی خصوصیات سخن کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ حاتم جہاں ایک اچھے غزل گو تھے اپنے شاگرد سودا کی طرح ایک اعلیٰ پایہ کے نظم گو بھی تھے۔

ایک غزلگو کی حیثیت سے حاتم کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے ہمعصروں آبرو، تاجی، فغاں اور یک رنگ کے مقابلہ میں بہت زیادہ جدت پسند تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور اُردو غزل کو ایہام کے شکنجے سے چھڑانے میں انھوں نے ایک ایسی اجتہادی قوت سے کام لیا جس کیلئے محمد شاہی دور میں واقعی جرات رندانہ کی ضرورت تھی۔ کیونکہ دہلی میں پہلے پہلے اُردو شاعری اور ایہام گوئی لازم و ملزوم ہو گئے تھے۔ اور عام ذوق کے خلاف آواز بلند کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن حاتم نے مخالفتوں کی پروا کئے بغیر اصلاحی کوشش

شروع کر دیں۔ اور ہر طرح کی بدنامی کو گوارا کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنی ایک غزل (۱۱۵۹ھ) میں لکھتے ہیں ؎

مجھ کو مخالفوں کی بدی سے نہیں ہے خوف
جو ہو سو ہو، ہے اپنے مجھے کام پر نگاہ
کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش
حاتمؔ کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

حاتم نے نہ صرف خود ہی ایہام گوئی ترک کی بلکہ اپنے شاگردوں سے بھی اس عام مذاق کے بدلنے میں کام لیا۔ اور اگر ان کے تلامذہ میں سوداؔ اور تاباںؔ جیسے بلند پایہ شاعر موجود نہ ہوتے تو کوئی تعجب نہیں کہ ایہام گوئی کا دورِ دورہ ابھی کافی عرصہ تک اُردو دُنیا میں جاری رہتا۔ اور اُردو شاعری میں وہ سادگی اور سلاست پیدا نہ ہونے پاتی جس میں اضافہ کر کے میر تقی میرؔ نے بعد کو سرتاج شعرا کا لقب حاصل کیا۔

حاتم کے تلمیذ رشید مرزا رفیع سوداؔ نے اپنے استاد کی اس اصلاحی کوشش کی بڑی خوبی سے علمبرداری کی۔ چنانچہ ان کے کلام سے بھی اسکی شہادتیں ملتی ہیں۔ وہ ایہام گو شعرا کو مضمونؔ اور آبروؔ کے سلسلۂ تلامذہ میں شمار کرتے ہیں اور خود اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ میرا تعلق اس سلسلہ سے نہیں ہے۔ انھوں نے علی الاعلان اس امر کا دعویٰ کیا کہ ؎

اسلوب شعر کہنے کا تیرے نہیں ہے یہ
مضمونؔ و آبروؔ کا ہے سوداؔ یہ سلسلا

ایک اور جگہ اپنے استاد شاہ حاتم کی یوں نمایندگی کرتے ہیں ؎

یک رنگ ہوں آتی نہیں خوش مجھ کو دو رنگی
منکر سخن و شعر میں ایہام کا ہوں میں

اور اگر زمانہ کے عام مذاق کے مطابق کبھی کبھی سوداؔ اپنے استاد کے رنگ سے ہٹ بھی جاتے تو پھر اپنی طرز کی طرف یہ کہکر متوجہ ہوتے تھے کہ

ہو شاد اس غزل سے روحِ آبروؔ کی سوداؔ
تو اس زمیں میں ناداں طور اپنا کیوں نہ بولے

ان اشعار میں سوداؔ نے اپنے جس رنگ کی طرف اشارہ کیا ہے اسکی تبلیغ ان کے استاد حاتمؔ نے اپنے کلام میں بار بار کی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

ہے عبث حاتمؔ یہ مضموں اور معانی کا خیال
موہنہ سے نکلا جو سخن گو کے سو موزوں ہوگیا

اسلوب کی سادگی اور سلاست شاہ حاتمؔ کے کلام کی وہ خصوصیت ہے جو ان کے معاصرین میں سوائے مظہرؔ جان جاناں کے کسی اور کو نصیب نہ ہوسکی۔ اور اس بارے میں حاتمؔ خود بھی مظہرؔ کے معترف تھے۔ چنانچہ انکا ایک سلیس مصرع حاتمؔ کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے اپنی ایک غزل میں اسکی اس طرح تضمین کردی۔

جواں مارا گیا حاتمؔ بقول میرزا مظہرؔ
برا تھا، یا بھلا تھا، الغرض جیسا تھا کام آیا

اسی صفائی کلام اور بے ساختگی بیان کی نسبت ایک اور جگہ حاتمؔ یوں لکھتے ہیں۔

ہمیں مضمون و معنی سے نہیں کچھ ربط اے حاتمؔ
نشہ کی لہر میں جو دل میں آیا ہم بھی بک بیٹھے

زبان کی روانی، اسلوب کی بے ساختگی، غرض کلام کی صفائی حاتمؔ کی غزلگوئی کی پہلی اور سب سے اہم خصوصیت ہے۔ اسکی مثالوں سے اگرچہ انکا دیوان زادہ معمور ہے تاہم چند شعر بطور نمونہ یہاں بھی پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ ایک قادر الکلام استاد کیسے بے ساختہ اور صاف شعر کہہ جاتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ حاتم کو نہیں تجھ سے پیار
کون کہتا ہے کہ حاتم سے تجھے پیار نہیں

تو صبحدم نہ نہا بے حجاب دریا میں — پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں
تم کہ بیٹھے ہوئے اک آفت ہو — اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

جس کو دیکھا سو یہاں دشمن جاں ہے اپنا
دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

جس کو تیرا خیال ہوتا ہے — اس کو جینا محال ہوتا ہے
جس طرف کو کہ یار جاتا ہے — دل ہو بے اختیار جاتا ہے

کھپ گئی ہے دل میں حاتم کے تری بانکی نگاہ
چلتے چلتے ٹک بتاتا جا، ترا کیا نام ہے

یار نکلا ہے آفتاب کی طرح — کونسی اب رہی ہے خواب کی طرح
تو پیے ہے شراب حاتم ساتھ — کیوں نہ دشمن جلیں کباب کی طرح

لبریز جیب سے عشق کے ساغر پیے ہیں ہم
کرنے نہ تھے جو کام وہی سب کئے ہیں ہم

افسوس کہ آپ کو میں اب تک — معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوں
غیروں سے خوشی و مجھ سے ناخوش — اس کا میں گناہ کیا کیا ہوں

برس میں وہ کبھی برسے ہے یہ برسوں سے برسے ہے
مقابل مت کرو باراں سے میری چشم گریاں کو

کون پیاسا ہے شہادت کا یہاں — آج اسکے ہاتھ میں عریاں ہے تیغ
حاتم اس ظالم کی ابرو کو نہ چھیڑ — ہاتھ کٹ جائیگا اے ناداں ہے تیغ
ہم نے پوچھا کوئی حاتم بھی ترا بندہ ہے — کہا، ہووے گا کوئی اب تو ہمیں یاد نہیں

بن ترے رات کو کیا کیا مرے دل پر گذرا

تو تو اس بات کی کا ہے کو خبر رکھتا ہے

حاتم کے کلام کی دوسری خصوصیت عاشقانہ مضامین کی فراوانی اور معاملہ بندی کی رنگا رنگی ہے۔ چونکہ ان کو عشق مجازی کے ساتھ ساتھ تصوف و عرفان کا خاص چسکا تھا اسلئے ان کی غزلوں میں عشقیہ مضامین طرح طرح سے بیان کئے گئے ہیں۔ اگرچہ غزلگوئی کا انحصار عشق عاشقی ہی کے معاملات پر ہوتا ہے اور غزل کے حسن و قبح کو جانچنے کیلئے سب سے پہلے عاشقانہ مضامین ہی پر نظر جاتی ہے لیکن حاتم کی ساری زندگی عشق و محبت ہی کا فسانہ تھی۔ اور انکا مطمح نظر یہ تھا کہ ؎

کاملوں کا یہ سخن مدّت سے مجھکو یاد ہے

یعنے بے معشوق جینا زندگی برباد ہے

اسلئے وہ ایک جگہ کیا خوب لکھتے ہیں ؎

حیرت ہے مجھے کہ اس صنم بن کیونکر کہ میں اب تلک جیا ہوں

ایک اور شعر میں اپنی زیست کا مقصد یوں واضح کرتے ہیں ؎

جہاں کے باغ میں کرتا ہے سیر اس واسطے حاتم

کبھو شاید محبت کی کسو بھی گل میں بو آئے

بہرحال ان کے خیال میں زندگی بغیر محبت بے مزہ تھی۔ اس لئے اپنے پیارے سے ملتجی ہیں کہ ؎

الفت کی مجھکو پیارے تیری نگاہ بس ہے

گر پے بہ پے نہ ہووے تو گاہ گاہ بس ہے

ان کے بعض اشتیاقیہ شعر یہ ہیں ؎

گلایا آپ کو حاتم نے سرسوں پاؤں تک تجھ بن رگ اپنا پوست اپنا گوشت اپنا استخواں اپنا

ٹک ادھر بھی کبھو گذار کرو
عمر جاتی ہے انتظاری ہیں

حاتم ہی کے ایک ہم رنگ شاعر خواجہ میر درد نے اسی خیال کو آگے بڑھا کر اس طرح ظاہر کیا تھا ؎

گر صبا کوئے یار میں گذرے
یہی پیغام درد کا کہنا

دن بہت انتظار میں گذرے
کونسی رات آن ملئے گا

عاشقانہ سوز و گداز حاتم کی غزلوں کی تیسری اہم خصوصیت ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں عشق کی سختیوں اور جکڑبندیوں کی بڑی عمدہ ترجمانی کی ہے۔ وہ عشق کی پہلی شرط یہ پیش کرتے ہیں۔

کسو کو آپ سے گر آشنا کرے معشوق
تو پہلے اس کو سبھوں سے جدا کرے معشوق

عشق کی شدتوں اور مصیبتوں کا حاتم کو جو دیرینہ تجربہ تھا اس سے دوسروں کو وہ یوں آگاہ کرتے ہیں ؎

دشمن نام و ننگ ہے یارو
عشق ہے یا نہنگ ہے یارو

کوچۂ عشق تنگ ہے یارو
صبر بن اور کچھ نہ لو ہمراہ

حاتم نے اپنی دردمندی کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں ؎

مت مقابل کرو کباب کے تئیں
دل سوزاں سے آج حاتم کے

بہار آئی تو آنے دو مجھے کیا کام گلشن سے
کہ سر سے پاؤں تک داغوں سے خود رشک گلستاں ہوں

جنوں ہے فوج فوج اور اس طرف حاتم اکیلا ہے
نہیں کوئی تجھ بغیر اب اے مرے اللہ کیا کیجے

شب ہجراں ہے یا افسانۂ عشق　　ہمارے کلبۂ احزاں میں حاتم
ترے نصیب برے ہوں تو کیا کرے معشوق　　تو اپنے یار کا حاتم کرے ہے شکوہ عبث

حاتم کے کلام کی ایک اور خصوصیت پند و موعظت بھی ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں سیکڑوں شعر ناصحانہ انداز میں لکھے ہیں۔ اور ان میں محض خشک نصیحتیں نہیں کیں بلکہ عہد محمد شاہ میں جو سیاسی و سماجی افراتفری پیدا ہو گئی تھی اس سے متاثر ہو کر دنیا اور اسکے علایق کی بے ثباتی اور زمانہ کی سفلہ پروری پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ خصوصیت در اصل ان کے ذوق تصوف کا بھی نتیجہ تھا۔ اور اس قسم کے اشعار کے معتدبہ نمونے حاتم کی درویشی کے عنوان کے تحت درج ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک شعر پیش کیا جاتا ہے جو حاتم کے پند و موعظت کے اشعار کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی خصوصیت کو ان کے شاگرد سوؔدا نے اپنے کلام میں نہایت شرح و بسط سے واضح کیا تھا۔ حاتم کہتے ہیں ؎

پست ہو چل مثال دریا کے
خیمہ بر پا نہ کر حباب کی طرح

نظم گوئی

حاتم کو ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے ۔ میر و سودا سے قبل شمالی ہند کے جس شاعر کے کلام میں مسلسل نظموں کے وافر نمونے ملتے ہیں وہ حاتم ہی ہیں ۔ ان کے ہمعصروں میں ناجی اور آبرو نے بھی مسلسل نظمیں لکھیں لیکن انکے موضوع اتنے وسیع نہیں تھے جتنے حاتم کے تھے اور نہ انکی نظمیں اتنی کثیر تعداد میں موجود ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سودا نے بعد کو مختلف عنوانات کے تحت قصیدوں، مثنویوں، اور ترکیب بندوں کی شکل میں اپنے عہد کے سماجی رجحانات کی جو ترجمانی کی اس کا ذوق اصل میں انھیں اپنے استاد شاہ حاتم ہی سے حاصل ہوا تھا ۔ یہ اور بات ہے کہ اس ورثہ کو سودا نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی مدد سے معراج کمال پر پہنچا دیا ۔

حاتم کے کلام کے جتنے نسخے اِس وقت تک نظر سے گزرے انکے مطالعہ سے ثابت ہوا کہ وہ محض غزل گو شاعر نہیں تھے ۔ انکے "دیوان زادہ" میں انکی کئی مسلسل نظمیں مستقل عنوانوں کے تحت مندرج ہیں مگر اردو تذکروں میں جہاں حاتم کا ذکر کیا گیا ہے انکی ان مسلسل نظموں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ۔ صرف ایک دو کتابوں میں 'مثنوی حقہ'

"مثنوی قہوہ" کا ذکر ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار اُن کی صحیح قدر و قیمت سے واقف نہ تھے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ وہ غزل گوئی کا دور تھا اور اسی کی اس زمانہ میں قدر کیجاتی تھی۔

شاہ حاتم کی جو نظمیں خاصکر قابل ذکر ہیں اُن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) حمد و نعت (۲) حقہ (۳) قہوہ (۴) بیرنگئ زمانہ (۵) عرضئ استغفا

(۶) بنام فاخر خاں (۷) بارھویں صدی (۸) حال دل

ان نظموں کے علاوہ حاتم کی بہت سی قطعہ بند غزلیں ایسی ہیں جو کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہے۔ دیوان زادہ کی غزلوں میں جو متعدد شعر موضوع کے لحاظ سے مستقل قطعات سمجھے جاسکتے ہیں ان میں سے بعض اہم قطعوں کی فہرست معہ سنہ تصنیف یہ ہے :۔

۱	نکتہ بینیوں سے	(۱۱۵۶ھ)	۲	من کی من کے بیچ	(۱۱۶۱ھ)
۳	روز میثاق	(۱۱۶۱ھ)	۴	گورستان	(۱۱۶۲ھ)
۵	قاصد	(۱۱۶۵ھ)	۶	افسانۂ دل	(۱۱۶۷ھ)
۷	خوف و رجا	(۱۱۶۹ھ)	۸	اختیار بندہ	(۱۱۶۹ھ)
۹	حاتم کی فقیری	(؍؍)	۱۰	ماتم حسن و حسین	(؍؍)

اس مجموعہ میں حاتم کی پہلی مسلسل نظم حمد و نعت ہے۔ یہ دیوان زادہ میں موجود نہیں۔ غالباً طرز قدیم سمجھ کر حاتم نے اس کا انتخاب نہیں کیا۔ اُردو کے قدیم ترین تذکرہ "گلشن گفتار" کے مصنف نے بطور تبرک اس نظم کو اپنی کتاب کے آغاز میں شامل کیا ہے۔ یہ تذکرہ خواجہ حمید خاں اورنگ آبادی کا مولفہ ہے اس میں تقریباً (۳۰) قدیم شاعروں کا ذکر ہے۔ مولوی سید محمد صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) لکچرار اُردو سٹی کالج نے بڑی محنت و تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اُردو شعرا کا قدیم ترین تذکرہ ہونے کی حیثیت سے اسکو یوں بھی اہمیت حاصل ہے مگر ہمیں اسلئے بھی زیادہ عزیز معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حاتم کی ایک مثنوی کا ٹکڑا مل گیا جو آج نہ "دیوان زادہ" میں موجود ہے اور نہ حاتم کے

ان دوسرے قدیم دیوانوں میں جو اس وقت تک نظر سے گذرے ہیں۔

اس مثنوی کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ حاتم نے پہلے پہل ولی کی ہو بہو تقلید کی۔ جس طرح سے آج دہلی اور لکھنؤ کے شاعروں کا کلام دوسرے صوبوں اور شہروں کے شعرا کیلئے معیاری سمجھا جاتا ہے اسی طرح حاتم کے ابتدائی زمانہ میں دکن کے شاعروں کا کلام اور انکا اسلوب اہل دہلی کیلئے معیاری تھا۔ نہ صرف یہ مثنوی بلکہ حاتم کی وہ غزلیں بھی جو دیوان زادہ میں درج ہیں اور جو ولی کی زمین میں لکھی گئی ہیں اس رجحان کا ثبوت دیتی ہیں۔ اس مثنوی کی چند ابیات یہ ہیں:-

الٰہی داغ سیں دل کو جلادے
برہ کی آگ مجھ تن میں لگادے

جلا جیوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو
شرر لبریز کر ہر استخواں کو

فنا کر عشق میں یہ جان بے تاب
کہ جیوں آتش میں گھٹ جاتا ہے سیماب

رہے منظور اک معشوق کی ذات
بطوف کعبہ و سیر خرابات

خدا کے نور کا مت کر سمندر
ہی چودہ رتن کاڑے ہیں باہر

اگر فہمیدہ حکمت آشنا ہے
اسی نسخے میں چودہ بدیا ہے

نبی کی آل پر سیں وار جانا
اسی بارہ پلے سیں پار جانا

حاتم کی دوسری نظم "مثنوی حقہ" محمد شاہ بادشاہ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ جعفر علی خاں صادق نے اسکو نظم کرنا شروع کیا مگر دو تین شعر سے زیادہ نہ کہہ سکے۔ حاتم نے اختتام کو پہنچایا۔ "گلشن گفتار" میں حاتم کی یہ مثنوی نقل کی گئی ہے۔ مگر اس میں صرف ۲۷ شعر ہیں۔ لچھمی نرائن شفیق نے اپنے اردو تذکرہ "چمنستان شعرا" میں لکھا ہے کہ اس مثنوی میں جملہ ۳۰ شعر ہیں مگر "دیوان زادہ" میں اس عنوان کے تحت جو مثنوی درج ہے وہ ۴۲ اشعار پر مشتمل ہے۔

"دیوان زادہ" کی اصل مثنوی اور "گلشن گفتار" کی پیش کی ہوئی مثنوی میں ایک تو

تعداد اشعار میں بہت فرق ہے اور دوسرے الفاظ کے املا اور لسانی شکلوں میں بھی اختلاف ہے۔ "گلشن گفتار" کی مثنوی میں زیادہ تر قدیم وضع کے الفاظ اور ترکیبیں ہیں۔

یہ امور ظاہر کرتے ہیں کہ حاتم کی مثنوی ابتدا میں اتنی طویل نہیں تھی۔ لیکن "دیوان زادہ" کی ترتیب کے وقت تک ۱۴ سال کے عرصہ میں حاتم نے اس میں خاصہ اضافہ کر دیا تھا۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ ۱۱۶۵ھ سے ۱۱۷۹ھ تک اُردو زبان کے الفاظ کی شکلوں اور ترکیبوں وغیرہ میں کافی فرق ہو گیا تھا۔ اور اگرچہ حاتم نے دیباچۂ "دیوان زادہ" میں ذکر کیا ہے کہ مثنوی حقہ و قہوہ میں انھوں نے قدیم زبان ہی کو برقرار رکھا ہے تاکہ قدیم و جدید کا فرق معلوم ہو سکے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے بہت سے لفظوں اور ترکیبوں میں تبدیلی کر دی جس کے دلچسپ ثبوت "دیوان زادہ" کی مثنوی کے اشعار کا "گلشن گفتار" کی مثنوی کے اشعار کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ملتے ہیں۔

یہ مثنوی اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ شمالی ہند کی اولین مسلسل نظموں میں سے ہے۔ میر و سودا کی مثنویاں اسکے بہت بعد کی پیداوار ہیں جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے۔ حاتم دہلی کے پہلے اُردو شاعر ہیں جنھوں نے خاص خاص موضوعوں پر کئی مفصل اور دلچسپ نظمیں لکھیں۔

حاتم کی دوسری بڑی "مثنوی قہوہ" پہلی بار مجلہ مکتبہ حیدر آباد کے دسمبر ۱۹۳۱ء کے شمارے میں راقم الحروف نے شائع کی تھی۔ یہ نظم اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے قبل کی "مثنوی حقہ" بیحد مقبول ہوئی تھی۔ اور حاتم کو مجبور کیا گیا تھا کہ اسی طرز کی "مثنوی قہوہ" پر بھی لکھیں۔ اس مثنوی کا آخری شعر پُر لطف ہے۔ اور حاتم اور انکے زمانہ کی طرز معاشرت اور خیالات کی بڑی واضح اور لطیف تشریح کرتا ہے۔ حاتم فرماتے ہیں شعر

جہاں میں زندگی حاتمؔ دو دم ہے ادھر حقہ ادھر قہوہ کا دم ہے

حاتم کی اس سلسلہ کی چوتھی نظم "نیرنگیٔ زمانہ" کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔ یہ گویا عہد محمد شاہ کا ایک منظوم خاکہ ہے۔ اور اردو کی ان ابتدائی نظموں میں سے ہے جن میں

شاعر نے اپنے زمانے کی معاشرت اور سماجی رجحانات کی عکاسی کی ہے۔ حاتم کے بعد ان کے شاگرد سوداؔ نے اس قسم کی نظموں کی طرف خاص توجہ کی تھی۔

حاتم کی پانچویں نظم "عرضی استعفا" ہے یہ ایک خاص چیز ہے جو ایک طرف تو حاتمؔ کی شرافت طبع اور اعلیٰ کردار کی مظہر ہے اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ نواب عمدۃ الملک امیر خاں نے جن کے یہاں حاتم بہ حیثیت "بکاول" ملازم تھے ان کی قدردانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ نظم اردو ادب میں بالکل انوکھی چیز ہے نہ صرف تاریخی بلکہ شعری حیثیت سے بھی۔

اس سلسلہ کی چھٹی نظم حاتم کے ایک عزیز دوست نور الدولہ فاخر خاں کے نام لکھی گئی ہے ان سے حاتم کو دلی محبت تھی چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ حاتم عمدۃ الملک امیر خاں کی ملازمت ترک کرنے کے بعد مفلس ہو گئے ہیں تو اپنے یہاں بطور رخانساماں منسلک کر لیا۔ اس نظم میں حاتم نے جس طرح بے لوث جذبات کا اظہار کیا ہے وہ ہر صاحب دل سے خراج تحسین حاصل کرنے کا مستحق ہے۔ اسکے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بعض امرا اپنے ملازمین کا دل کس طرح اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے اور ان کو کتنا عزیز رکھتے تھے۔

اِن نظموں کے علاوہ دو نظمیں ایسی بھی ہیں جو "دیوان زادہ" میں موجود نہیں ہیں۔ "انجمن ترقی اُردو سے" حاتم کا جو قدیم قلمی دیوان مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی عنایت سے مطالعہ کیلئے مرتب کو دیا اس کے آخر میں دو ترکیب بند موجود ہیں۔ جن میں سے ہر ایک علیحدہ مستقل عنوان پر لکھا گیا ہے۔ یہ عنوان مخطوطہ میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان نظموں کے موضوع کے پیش نظر راقم الحروف نے خود قرار دے لئے ہیں۔ پہلی نظم "بارھویں صدی" پر لکھی گئی ہے۔ اس میں موضوع کی مناسبت سے بارہ بند ہیں اور ہر بند میں پانچ مصرعے۔ ابتدا اور آخر سے چند بند یہاں مندرج ہیں:-

تو کھول چشم دل اور دیکھ قدرت کرتار | کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
لگا کے سیس لگا رہ صدا تو ہر کہ دوار | کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت کج رفتار

جہاں کے باغ میں یکساں ہیں اب خزان و بہار

شہوں کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہیں | امیروں بیچ سپاہی کی قدردانی نہیں
بزرگوں بیچ کہیں بوئے مہربانی نہیں | تواضع کھانے کی دیکھو تو جگ میں پانی نہیں

گویا جہان سے جاتا رہا سخاوت و پیار

کرے ہے چرخ اگر تجھ اوپر جفا حاتم | تو سفلے پاس نہ کر جا کے التجا حاتم
ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم | تو انقلاب سے ہستی کے غم نہ کھا حاتم

کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

اس نظم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حاتم کے اسی طبعی رجحان کا نتیجہ ہے جو عہد محمد شاہ کی پریشاں حالی اور سفلہ پروری کی وجہ سے اکثر اہل علم اور صاحبانِ فن میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس میں اپنے زمانہ کے مختلف پیشہ وروں کا حاتم نے خوب مضحکہ اڑایا ہے۔

دوسری نظم کا موضوع "حال دل" ہے یہ نظم "بارھویں صدی" اور "نیرنگیٔ زمانہ" نظموں کی طرح حاتم کی دنیا سے بیزاری اور اپنے زمانہ کی زبوں حالی کی شکایت پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ اس میں عشقیہ مضامین باندھے گئے ہیں۔ اس میں کل دس بند ہیں اور ہر بند میں (۸) مصرعے۔ ہر بند کے پہلے (۶) مصرعے ہم قافیہ و ردیف ہیں اور آخری شعر کا قافیہ اور ردیف جدا ہے۔ یہ نظم تاریخی حیثیت سے حاتم کی دوسری نظموں کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تاہم انکی ایک ایسی طویل نظم ہے جس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

ان خاص خاص نظموں کے علاوہ حاتم کی اکثر غزلوں میں مخصوص موضوعوں پر جو قطعات موجود ہیں ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

فارسی شاعری

عہد محمد شاہ کے دوسرے شعرائے دہلی کی طرح حاتم بھی دراصل فارسی کے شاعر تھے۔ لیکن جب ولی اورنگ آبادی کا دیوان اور بعد کو خود ولی دہلی پہنچے اور ان کی شہرت عوام و خواص میں پھیل گئی اور انکا اُردو کلام بوڑھوں اور بچوں سبھوں کے ورد زبان ہوگیا اور وہاں کے شاعروں نے محسوس کیا کہ اُردو میں بھی نہایت اچھا کلام لکھا جاسکتا ہے تو اکثر و بیشتر فارسی گو شعرا نے اُردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ ان میں حاتم سب سے نمایاں تھے۔ اس واقعے کو خود حاتم نے مصحفی سے بیان کیا تھا اور موخر الذکر نے اس بوڑھے شاعر کے الفاظ اپنے تذکرہ ہندی میں یوں محفوظ کر دیئے ہیں :۔

"در سنہ دوم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہجہاں آباد آمدہ اشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ، با دو سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد، بنائے شعر ہندی را بایہام گوئی نہادہ، داد معنی یابی و تلاش مضمونِ تازہ می دادیم"

(تذکرہ ہندی مصحفی صفحہ ۸۰)

خود حاتم نے اپنے دیوان زادہ کے دیباچہ میں جہاں اپنی شاعری کے آغاز کا

ذکر کیا ہے اس موقع پر اپنی فارسی گوئی ہی کا تذکرہ پہلے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

"از سنہ یکہزار و بست و ہشت کہ قریب چہل سال باشد، نقد عمر دریں فن صرف نمودہ، ہنوز تربیت طلب و جائے استاد خالی دارد، و در شعر فارسی بطرز مرزا صائب و در ریختہ بطور ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد۔ و ہر دو را استاد می داند"۔

غرض اردو سے پہلے حاتم نے فارسی شعر و سخن کی طرف توجہ کی۔ اور اس زبان میں ایک دیوان بھی مرتب کر لیا تھا۔ چونکہ شعرائے فارسی میں انھیں صائب کا رنگ زیادہ پسند تھا اسی لئے خود بھی اسی رنگ میں لکھا اور اس پر آخر عمر تک فخر کرتے رہے۔ ان کے معاصرین نے بھی انکے کلام کی اس خصوصیت پر زور دیا ہے چنانچہ مصحفی تذکرہ ہندی میں لکھتے ہیں:۔

"مسودۂ شعر فارسی ہم بطور صائب داشت" (صفحہ ۸۱)

مصحفی نے اپنے تذکرۂ فارسی (عقد ثریا) میں اس فارسی دیوان کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے:۔

"در فارسی ہم دیوان مختصرے بقدر چہار جز بطور متاخرین بیاض فرمودہ۔" (صفحہ ۲۳)

اس سے جہاں کلام کی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی کی نظر سے یہ دیوان گذرا تھا۔ افسوس ہے کہ اس دیوان کے کسی نسخہ کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ حاتم کی فارسی شاعری کی نسبت ذرا وضاحت سے لکھا جا سکتا۔

حاتم کا یہ فارسی دیوان محمد حسین آزاد کے زمانہ تک موجود تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کو دیکھکر "آب حیات" میں اسکی تفصیل اس طرح قلمبند کی ہے:۔

"میں نے دیکھا سنہ ۱۱۰۹ کا خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا تھا غزل

۹۰ صفحے۔ رباعی و فرد وغیرہ ۶ صفحے۔"

(آب حیات ص ۱۱۳)

اگر فی صفحہ کم از کم دس شعر بھی شمار کریں تو حاتم کا فارسی کلام ایک ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہوگا۔

مصحفی نے فارسی شعرا کے سلسلہ میں حاتم کو ایک نمایاں جگہ دی ہے اور ان کی مقبولیت اور عام شہرت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"امیر زادہ ہائے والا تبار و رؤسائے ذوی الاقتدار اورا بیش از بیش بتواضع و تعظیم پیش آمدہ بر مسند خود برابر خود جامی دادند...

مرد بزرگ و جہاں دیدہ، و فرسودۂ روزگار است...... و نام نامیش از بس شہرت بسیار مذکور زبان صغار و کبار" (ص ۲۳)

افسوس ہے کہ حاتم کے فارسی کلام کا وافر نمونہ فراہم نہ ہو سکا۔ ان کے صرف حسب ذیل شعر عقد ثریا میں منقول ہیں۔

شب کہ در بزم تو پروانۂ دیدار شدم
شمع می سوخت دراں پردہ کہ از کار شدم

آں پری دام بدوش از پئے صیدے می گشت
بے خبر بودم و یکبار گرفتار شدم

اے وائے گر نگہ بہ نگہ آشنا شود
وز دیدہ دیدنِ تو زمن می برد مرا

چہ کنم گر بہ سر کوچۂ زلفش نہ روم
می دہد شوق قسم ہا بسر یار مرا

فتد آتش بجانِ ناتوانی ہائے من حاتم نہ دارم طاقت دیدار و می گویند یار آمد

نیست دل در برم از شوخی صیادے چند
حسرتے چند گرہ دارم و فریادے چند

حاتم ببیں کہ زاہد پرہیزگار را
دل جائے دیگر است و نظر جائے دیگر است

آں پری را ہوس دیدن خود پیدا شد
عمرہا خدمت آئینہ فروشاں کردم

دیوان زادہ

حاتم کا دیوان زادہ اُردو زبان اور شاعری کی تاریخ کا ایک گراں بہا گنجینہ ہے۔ اسکی ترتیب کا خیال اُن کو ١١٦٩ھ سے قبل ہی پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ اسی سال انھوں نے اس کو مرتب کر کے اس کا دیباچہ قلمبند کر لیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد کو بھی سالہا سال تک اس میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ اور یہ ضروری بھی تھا کیونکہ اس کی ترتیب کے بعد بھی وہ کم و بیش چالیس سال اور زندہ رہے۔ اور اپنے اس منتخب کلام کو کئی بار خود اپنے ہی قلم سے نقل بھی کیا چنانچہ اس وقت دیوان زادہ کا جو نسخہ محفوظ ہے وہ اصل ترتیب کے دس سال بعد یعنی ١١٧٩ھ کا مکتوبہ ہے اور اس کو خود حاتم ہی نے نقل کیا ہے۔

دیوان زادہ کی ترتیب سے قبل حاتم کے کئی دیوان مرتب ہو چکے تھے۔ اس وقت انھیں سخن گوئی کا آغاز کئے چالیس سال گذر چکے تھے اور انکی عمر ٧٥ برس کی تھی۔ گویا یہ دیوان زادہ ان کی شاعرانہ زندگی کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلے چالیس سال میں انھوں نے قدیم طرز میں (آبرو، ناجی اور مضمون کے رنگ میں) شاعری کی اور بعد کے چالیس سال زبان اور اسلوب شعر کی اصلاح میں صرف کئے۔

حاتم کا پہلا دیوان ۱۱۴۰ھ سے قبل ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ پورے تیس برس کے بھی نہ تھے۔ اور یہ کلام زیادہ تر ایہام سے مملو تھا۔ لیکن دہلی کے پہلے صاحب دیوان اُردو شاعر ہونے کے باعث ان کی شہرت تمام اُردو دنیا میں پھیل گئی اور اسکی نقلیں دکن جیسے دور دراز ملک تک بھی پہنچ گئیں۔ چنانچہ اسی کے مطالعہ سے متاثر ہو کر خواجہ حمید خاں اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ گلشن گفتار میں ان کی ایک مثنوی کی چند ابیات بطور تبرک اپنی کتاب کے آغاز میں نقل کی ہیں اور پھر متن کتاب میں جہاں حاتم کا ذکر کیا ہے اس جگہ بھی انکا نمونہ کلام شامل کیا ہے۔ خود حاتم کو اپنی اس شہرت کا علم تھا۔ اور انھوں نے اپنی ۱۱۴۰ھ کی ایک غزل میں لکھا ہے ؎

تمام ہند میں دیوان کو ترے حاتم رکھے ہے جان سے اپنے عزیز عام اور خاص

حاتم نے اپنے دیوان اور کلام کی مقبولیت کا تذکرہ کئی اور مواقع پر بھی کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دیوان کی ترتیب کے بیس سال بعد ۱۱۶۰ھ تک انکا ایک اور ضخیم دیوان مرتب ہو گیا تھا اور بہ حیثیت شاعر و استاد فن ان کی شہرت مسلّمہ سمجھی جاتی تھی۔ انھوں نے ۱۱۶۱ھ کی غزلوں میں خلاف عادت اس طرح کی شاعرانہ تعلّی کی ہے ؎

ہند سے تا بہ دکھن پوچھ لے سب سے حاتم
کون گھر ہے، ترے اشعار کہاں ہیں کہ نہیں

کہتا ہوں سب سے اب جو ہو منصف سو دیکھ لے
سب طرح کا مذاق ہے میرے سخن کے بیچ

حاتم کا شور تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پہلے دیوان میں ایک ہی رنگ ایہام گوئی کا زیادہ

نمایاں تھا۔ جسکی وجہ سے بعض تذکرہ نگاروں اور خاصکر میر تقی میر نے ان کو محض ایہام گو شعرا کی صف میں شمار کیا ہے۔ اور چونکہ پہلا دیوان انکا اس وقت کا ابتدائی کلام تھا جبکہ دہلی کے شعرا نے اردو میں شعر کہنے کا آغاز کیا تھا اور اسوقت حاتم کا بھی عنفوان شباب تھا اسلئے ممکن ہے کہ اس کلام میں وہ اسقام و اغلاط موجود ہوں جنکی طرف میر تقی میر نے تذکرہ نکات الشعرا میں اشارہ کیا ہے۔ لیکن حاتم ایک ترقی پسند شاعر تھے انھوں نے نہ صرف زمانہ کا ساتھ دیا بلکہ اس سے اتنے آگے نکل گئے کہ ان کے ابتدائی اور آخری کلام میں کوئی مناسبت ہی باقی نہ رہی۔ اور بعض لوگوں نے طرز کلام کی اس نمایاں مغائرت سے یہاں تک خیال قیام کرلیا کہ پہلا دیوان کسی اور حاتم کا ہے جو متقدمین شعرا میں سے تھا اور یہ دیوان اُس حاتم کا ہے جو زندہ ہے اور جسے حاتم ثانی سمجھنے لگے۔ چنانچہ مصحفی نے دیوان زادہ کا سبب تالیف ہی اس واقعہ کو قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں :—

"بعض اشخاص نزدیک و دور، شاہِ مذکور (حاتم) را بسبب طوالت عمر، بیش خود از رفتگان شمردہ حاتم ثانی قرار میدہند۔ لہٰذا دریں آخر عمر دیوانے کہ در زبان ریختہ گویانِ حال ترتیب دادہ، نامش دیوان زادہ گذاشتہ، تا رفع اشتباہ آنہا گردد"

(عقد ثریا ص ۲۳)

بہر حال حاتم کا دوسرا دیوان پہلے دیوان کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور اور ہر رنگ کے کلام کا نمایندہ تھا۔ اس کی اسی خصوصیت کو انھوں نے اپنی ایک اور غزل میں واضح کردیا ہے جو ۱۱۶۲ھ میں لکھی گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں ؎

حاتم کا آج دیواں دریا سے کم نہیں ہے
سب بحر ہیں گے اس میں ایسا ہے یہ سفینہ

اس غزل کے دو سال بعد ایک اور غزل (۱۱۶۴ھ) میں بھی حاتم نے اپنی قدامت مشق اور کہنہ گوئی کا اس طرح اظہار کیا ہے ؎

اٹھتیس برس ہوئے کہ حاتم مشاق قدیم و کہنہ گو ہے

یہ محض شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے۔ اسلئے کہ اس وقت تک تقریباً وہ تمام شاعر رحلت کر چکے تھے جنھوں نے ولی کے کلام سے متاثر ہو کر اوائل عہد محمد شاہ میں حاتم کے ساتھ اردو شعر و سخن کا آغاز کیا تھا۔ اور صرف وہ شاعر باقی رہ گئے تھے جنھوں نے بعد میں شاعری شروع کی اور پھر جو یا تو حاتم کے شاگرد تھے یا شاگردوں کے ساتھی۔

حاتم کی ان شاعرانہ تعلیوں میں جو صداقت تھی اسکے ثبوت ان تذکروں سے بھی ملتے ہیں جو اس زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ مثال کے طور پر چند تذکروں کی شہادتیں درج ذیل ہیں:—

تذکرۂ شعرائے اردو میر حسن

"شاعرے است صاحب کمال و پسندیدہ افعال۔ عالی فطرت و بلند ہمت۔ شہرۂ اشعارش بسیار است۔ اکثر غزلہائے اورا نغمہ سرایانِ ہند می خوانند۔" ص۷۸

تذکرۂ ہندی مصحفی

"ہمیشہ عمدہ معاش بودہ و اوقات بخوبی گزرانیدہ۔ ازیں کہ درازئ عمر و قدامت شعر از ہمہ بیشتر است نغمہ سنجان حال وضیع و شریف اورا استاد مسلم الثبوت می دانند۔

تذکرۂ ریختہ گویاں گردیزی

"طبع صیر فیش نقد و قلب سخن را نقاد" ص۴۹

مجموعۂ نغز۔ از قدرت اللہ قاسم

"بزرگیش بہ ہر کس معلوم بہ شاعری مشہور عالم"..... (ص ۱۸۰)

مصحفی نے تو اپنے بیان میں کمال ہی کر دیا۔ یعنے میر تقی میر نے حاتم کی ذات پر جو رکیک حملے کئے تھے انکا جواب اس طرح دیا کہ جو شریف و وضیع شاعر ہیں وہ حاتم کو ایک مسلم الثبوت استاد سمجھتے ہیں۔ گویا میر کا شمار ایسے شعرا میں نہ تھا۔

حاتم کے ابتدائی دواوین کی مقبولیت اور ان کے نسخوں کے دور دور مقامات تک پہنچنے کے ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتے ہیں کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات کے ساتھ جو کلام بطور نمونہ پیش کیا ہے وہ انہی قدیم نسخوں سے حاصل کیا ہے۔ اسلئے کہ خود حاتم نے اپنے دیوان زادہ میں جب انہی اشعار کو نقل کیا ہے تو ان میں کافی تبدیلی کر دی ہے۔ لیکن یا تو دیوان زادہ کی نقلیں زیادہ تعداد میں رائج نہیں ہوئیں یا پھر تذکرہ نگاروں نے شاید یہ خیال کر کے کہ یہ محض ایک انتخاب ہوگا اسکا نسخہ فراہم کرنے اور اُس میں سے کلام منتخب کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

بہر حال اسباب کچھ ہی ہوں یہ اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ اس اختلاف کی بنا پر آج ہمیں اُس ارتقا کا بڑی آسانی سے پتہ چل سکتا ہے جو ہماری زبان اور اسکے محاوروں نے دہلی میں نصف صدی کے اندر حاصل کیا۔ تذکروں میں حاتم کے جو شعر نقل کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر دیوان زادے میں بھی موجود ہیں لیکن اصلاح شدہ شکل کے ساتھ۔ اور ان دونوں شکلوں کا مقابلہ کرنے سے ماہرین زبان کو بڑی اچھی تاریخی معلومات فراہم ہوتی ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ خود حاتم نے اپنے اشعار میں کس طرح تبدیلی کی اور کیوں کی۔ مثال کے طور پر یہاں اس قسم کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

ابتدائی شکل (جو تذکروں میں ملتی ہے)	اصلاح یافتہ شکل (جو دیوان زادہ میں ملتی ہے)
آشنا جان کر کیا ہے ذبح کیا یہ چشم بے مروت ہے	نزع کے وقت بھی نگاہ نہ کی کیا یہ چشم بے مروت ہے
مرے رونے سے عالم کو منع کرنے سے کیا حاصل دل اپنا، دامن اپنا، دیدۂ و اشکِ رواں اپنا	مرے رونے سے ناصح تو جو ناخوش ہے تو کیا باعث دل اپنا، دامن اپنا، دیدہ و اشکِ رواں اپنا
جس کو پی کا خیال ہوتا ہے اس کو جینا محال ہوتا ہے	جس کو تیرا خیال ہوتا ہے اس کو جینا محال ہوتا ہے
ولے قیدی کیا ہے مجکو رات اور دن کی محنت نے ہے مطبخ کانِ نعمت پر مجھے زندان نعمت ہے	ولیکن کھا گئی ہے مجکو رات اور دن کی یہ محنت ہے مطبخ کانِ نعمت پر مجھے زندان نعمت ہے
یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی یہ خدمت بخش اسکو جو کوئی خواہان نعمت ہے	یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکاول کی کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئی خواہان نعمت ہے
تو جو کہتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ یہ تو اے شیخ مرا دل ہے کہاں ہے شیشہ	تو جو کہتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ محتسب یہ تو مرا دل ہے کہاں ہے شیشہ
ریا کو چھوڑ عمل کر تو مسئلوں اوپر دگرنہ شیخ ڈبا دے کتاب دریا میں	اگر ہے علم تجھے تو عمل کے درپے ہو وگرنہ شیخ ڈبا دے کتاب دریا میں

سیپارۂ گل کا ان نے پڑھا ہے ورق ورق کھینچا ہے میں نے اب گل نرگس سنے عرق	سیپارہ گل کا اس نے پڑھا ہے ورق ورق کھینچا ہے میں نے اب گل نرگس سے یہ عرق
سدا دل کی زیارت طوف بیت اللہ ہے حاتم	زیارت اہل دل کی طوف بیت اللہ ہے حاتم

مذکورۂ بالا مثالوں سے ظاہر ہے کہ حاتم نے دیوان زادہ کی ترتیب کے وقت زبان کی سلاست کے علاوہ اعلیٰ ذوق کا بھی کتنا زیادہ خیال رکھا تھا اور یہ کہ اس اثنا میں دہلی کے اردو شاعروں کا مذاق کتنا تبدیل ہو چکا تھا۔

حاتم اپنے کلام پر آخر وقت تک نظر ثانی کرتے رہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کتنے اعلیٰ پایہ کے فن کار تھے۔ انھوں نے ترقی اور اصلاح کے خیال کو کبھی اپنے ذہن سے محو نہ ہونے دیا۔ اسکا ایک معمولی ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ انھوں نے ایک شعر لکھا تھا کہ ؎

کم نہیں حاتم بڑا مشکل ہے کام　　　باندھ کر پھرنا نہیں آساں ہے تیغ

یہ شعر ان کے ابتدائی دیوان میں درج تھا اور اسی طرح لوگوں کے ورد زبان ہو گیا تھا۔ بعد کو دوسرے دیوان میں اس کے پہلے مصرعہ کے بھونڈے پن کو دور کر کے حاتم نے اس شعر کو یوں بدل دیا ؎

نام مردوں میں خدا جا ہے تو ہو　　　باندھ کر پھرنا نہیں آساں ہے تیغ

لیکن جب دیوان زادہ مرتب کرنے لگے تو اس شعر کی یہ شکل بھی ان کو پسند نہ آئی اور انھوں نے اس کو سرے سے حذف ہی کر دیا اور غزل میں اس مقطع کا اضافہ کر لیا کہ ؎

حاتم اس ظالم کی ابرو کو نہ چھیڑ
ہاتھ کٹ جائے گا اے ناداں ہے تیغ

زبان اور اسلوب کی تبدیلی کے لحاظ سے حاتم کے اس دیوان زادہ کو اُردو کی تاریخ میں جو اہمیت حاصل ہے اسکے متعلق مزید وضاحت آئندہ صفحات میں کیجائے گی یہاں اسکی ایک اور تاریخی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حاتم نے دیوان زادہ کی اکثر غزلوں پر جو وضاحت کر دی ہے کہ یہ کس کی زمین میں اور کس کی فرمایش پر لکھی گئی ہے یہ ایک ایسی معلومات ہیں جو ان کے معاصرین کی نسبت دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کس شاعر کی شہرت اور مقبولیت کس زمانہ میں زیادہ تھی۔ اور کس سال کے بعد سے کونسے شاعر کا شہرہ کم ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے معاصرین کی کون کونسی غزلیں کن تاریخوں میں لکھی گئی ہیں۔ یہ معلومات ہماری شاعری کے تذکروں میں مفقود ہیں۔ لیکن حاتم کے دیوان زادہ میں اس خوبی سے محفوظ ہو گئی ہیں کہ اس دور کے کسی شاعر پر تحقیقی کام کرنے والوں کا راستہ بہت کچھ آسان ہو گیا۔

ذیل میں حاتم کی اس قسم کی توضیحات کو پہلے بلحاظ تاریخ درج کیا جاتا ہے اور بعد کو بلحاظ شعرا۔

دوسرے شاعروں کی زمینیں

بلحاظ تاریخ

۱۔ ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۴۰ھ

(۱) سنہ ۱۱۳۱ھ

۱۔	مضمون	تاریک گھر ہمارا آ کر کرے اُجالا
۲۔	ولی	تاباں ہے اُس نگہ سے مرے دل میں نور آج

(۲) سنہ ۱۱۳۵ھ

۱۔	ناجی	گلشن اُس گل بن مری نظروں میں ویراں ہو گیا

۲۔	یکرنگ۔	ایسے نا آشنا سے کیا اخلاص
۳۔	ولی۔	جس کو پی کا خیال ہوتا ہے
۴۔	آبرو۔	اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے

(۳) سنہ ۱۱۳۶ھ

۱۔	ناجی۔	تیری صورت پر نہ تنہا میں ہی مفتوں ہو گیا
۲۔	مضموں۔	تو ہوا ہے جب سے ہم زانو مرا
۳۔	مظہر۔	برا تھا یا بھلا تھا الغرض جیسا تھا کام آیا
۴۔	ولی۔	جس طرف کوں کہ یار جاتا ہے
۵۔	ولی۔	کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کو یاد ہے
۶۔	ولی۔	نہ کر خوباں سوں اے دل آشنائی

(۴) سنہ ۱۱۳۷ھ

۱۔	ناجی۔	جواب اس غزل کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہہ لا
۲۔	آبرو۔	گر عداوت سے عدو دل بیچ رکھتے ہیں نفاق
۳۔	مظہر	موقوف ہے ملاپ سجن کا خدا کے ہاتھ
۴۔	ولی۔	اس پری رو کا مجھے ہر دم تصور کام ہے
۵۔	ولی	مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے

(۵) سنہ ۱۱۳۸ھ

۱۔	ولی۔	جب چمن میں چلا وہ سرو بلند
۲۔	ولی۔	الفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے

(۶) سنہ ۱۱۴۰ھ

۱۔	مظہر	کیا جب فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا

۲۔ ناجی۔ جی ترستا ہے یار کی خاطر
۳۔ آبرو۔ دماغ اتنا جواب کرتے ہیں گرو

۲۔ سنہ ۱۱۴۱ھ تا سنہ ۱۱۵۰ھ

(۱) سنہ ۱۱۴۱ھ

۱۔ ولی۔ خوبرویوں میں تجھے رتبۂ امرائی ہے
۲۔ ولی۔ جب چمن میں جا کے تجھ قامت کا میں چرچا کروں

(۲) سنہ ۱۱۴۲ھ

۱۔ ولی۔ جس کو حاتم خیال مال ہوا
۲۔ آبرو۔ یکایک ہو گیا ایسا جدا دل

(۳) سنہ ۱۱۴۶ھ

مضمون — نہ اتنا چاہئے اے پرشکم خواب

(۴) سنہ ۱۱۴۷ھ

مضمون — تو اتنا مت لگادے سرو سے جا جا من اے قمری

(۵) سنہ ۱۱۴۹ھ

ناجی — ہمیں یاد آوتی ہیں باتیں اس گلرو کی رہ رہ کے

(۶) سنہ ۱۱۵۰ھ

حزیں — کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم

۳۔ سنہ ۱۱۵۱ھ تا سنہ ۱۱۵۵ھ

(۱) سنہ ۱۱۵۱ھ

۱۔ عنایت خاں راسخ — ہم نہ جانے تھے کہ ہے وعدۂ خوباں برباد

۲۔ آبرو۔ جوں نزی پتلی مری چشم میں آ پھرتی ہے

۳۔ انور خاں۔ چڑھی ہیں غم کی فوجیں کون ہے جو رو برو آوے

(۲) سنہ ۱۱۵۲ھ

۱۔ حشمت۔ سب طرف ہے شور کچھ طوفاں سالاتی ہے بہار

۲۔ یقیں۔ خدا کے واسطے یک دم مری فریاد کو پہنچے

۳۔ سعدی۔ میم و کاف وہ ہے سے تیرے ہے خجل اب میم وہ

(۳) سنہ ۱۱۵۳ھ

۱۔ یقیں۔ دل میں یوں ہے اس خیال چشم کے آنے میں دھوم

(۴) سنہ ۱۱۵۴ھ

۱۔ سودا۔ میری طرف کبھو جو پری رو گذر کرے

(۵) سنہ ۱۱۵۵ھ

۱۔ صائب۔ آشنا چاہے تو ہو حاتم خدا کا آشنا

۲۔ یقیں۔ جی دیا حاتم نے کیا بے وقت بے جا بے طرح

۳۔ جعفر علی صادق دلِ آگاہ مرا طالب ارشاد نہیں

۴۔ سنہ ۱۱۵۶ھ تا سنہ ۱۱۶۰ھ

(۱) سنہ ۱۱۵۶ھ

۱۔ یقیں۔ جب سے نزی ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں

۲۔ فاخر خاں دیوانہ میں تو تھا پہ سیانے نے کیا کیا

(۲) سنہ ۱۱۵۷ھ

یقیں۔ دیکھ کر بلبل لب و رخسارِ خوباں کی طرف

(۳) سنہ ۱۱۵۸

۱۔ یقین۔ ہو رہا ہے ابر اور کرتا ہے وہ جانانہ رقص

۲۔ تاباں۔ واعظ نہی کو امر کہے امر کو نہی

(۴) سنہ ۱۱۵۹

۱۔ فغاں۔ تیرے ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں

۲۔ سودا۔ قطرہ مئے وحدت سے جو ساقی کو نزدے

۳۔ صائب۔

(۵) سنہ ۱۱۶۰

یقین۔ ہماری سیر کو گلشن سے کوئے یار بہتر تھا

۵۔ سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۵

(۱) سنہ ۱۱۶۱

۱۔ فغاں۔ گر تجھ سے دل آزار سے دل یار ہوتا

۲۔ یقین۔ ان بتوں میں کوئی نہ دیکھا جو ہو جاں کا حریف

۳۔ فغاں۔ جو ذائقے سے درد کے دل آشنا نہیں

۴۔ سودا۔ کوئی ایسا بھی طبیبوں میں یہاں ہے کہ نہیں

(۲) سنہ ۱۱۶۲

۱۔ میر جو میخانہ میں جاتا تھا قدم رکھتے جھجکتا تھا

۲۔ فغاں۔ وہ چشم سیہ راہ میں جاتے نظر آیا

۳۔ میر محمد اسلم۔ بہت سے باغ میں ہم دیکھے ہیں سرو

۴۔ سودا۔ تو جو کہتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ

۵۔ ضمیر۔ اس معرکہ میں کس کو ہے جرات کہ مر سکے
۶۔ ضمیر۔ اے خردمند و مبارک ہو تمھیں فرزانگی

(۳) سنہ ۱۱۶۳ھ

۱۔ فغاں۔ ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا
۲۔ ضمیر۔ دیکھ اس گل رو کو دل کیونکر نہ ہووے باغ باغ

(۴) سنہ ۱۱۶۴ھ

۱۔ ضمیر۔ کہکشاں کی کھینچ کر لایا ہوں میں تنگ فلک
۲۔ میر۔ سرانگشت حنائی ہیں تری یک دست گلدستہ

(۵) سنہ ۱۱۶۵ھ

۱۔ سودا۔ شانہ نہ کیجو زلف کو زنہار دیکھنا
۲۔ ” اُڑے ہے تو جو ایسی آسماں پر سحر شبنم
۳۔ درد بے نور ہے وہ بزم جہاں شمع رو نہ ہو
۴۔ میر حسین کلیم تو جو موسیٰ ہو تو اس کا ہر طرف دیدار ہے
۵۔ ضمیر۔

۶ سنہ ۱۱۶۶ھ تا سنہ ۱۱۷۰ھ

(۱) سنہ ۱۱۶۶ھ

۱۔ صائب۔ چہ حظ کند خضر از عمر جاوداں تنہا
۲۔ فغاں۔ نظر سے جب اگتا ہے مرا دل

(۲) سنہ ۱۱۶۷ھ

۱۔ درد۔ افسوس شیخ دل سے تجھے راہ ہی نہیں

۲۔ سودا۔ شبنم سے جانِ گل کو ہوا ہے ضرر کہیں

(۳) ۱۱۶۹ھ

۱۔ عالمگیر ثانی دل میں آتا ہے کہ شاہی میں گدائی کیجے

۲۔ ولی کب ترے لب کے مقابل ہو عقیق یمنی

دوسرے شاعروں کی زمینیں

بلحاظ شعرا

۱۔ ولی

۱۔	تاباں ہے اُس نگہ سے مرے دل میں نور آج	۱۱۳۱ھ
۲۔	جس کو پی کا خیال ہوتا ہے	۱۱۳۵
۳۔	کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کوں یاد ہے	۱۱۳۶
۴۔	نہ کر خوباں سوں اے دل آشنائی	۱۱۳۶
۵۔	جس طرف کوں کہ یار جاتا ہے	۱۱۳۶
۶۔	اس پریرو کا مجھے ہر دم تصور کام ہے	۱۱۳۷
۷۔	مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے	۱۱۳۷
۸۔	جب چمن میں چلا وہ سرو بلند	۱۱۳۸
۹۔	الفت کا مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے	۱۱۳۸
۱۰	خوبرویوں میں تجھے رتبۂ امرائی ہے	۱۱۴۱
۱۱۔	جب چمن میں جا کے تجھ قامت کا میں چرچا کروں	۱۱۴۱
۱۲۔	جس کو حاتم خیال مال ہوا	۱۱۴۳
۱۳	کب ترے لب کے مقابل ہو عقیق یمنی	۱۱۶۹

۲- یقیںؔ

۳- سوداؔ

۴- فغاںؔ

۲۔	گر تجھ سے دل آزار سے دل یار نہ ہوتا	۱۱۶۱
۳۔	جو ذائقے سے درد کے دل آشنا نہیں	۱۱۶۱
۴۔	وہ چشم سیہ راہ میں جاتے نظر آیا	۱۱۶۲
۵۔	ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا	۱۱۶۳
۶۔	نظر سے جب اُکستا ہے مرا دل	۱۱۶۶

۵۔ آبرو

۱۔	اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے	۱۱۳۵
۲۔	گر عداوت سے عدو دل بیچ رکھتے ہیں نفاق	۱۱۳۷
۳۔	دماغ اتنا جواب کرتے ہیں گرو	۱۱۴۰
۴۔	یکا یک ہو گیا ایسا جدا دل	۱۱۴۳
۵۔	جوں تری پتلی مری چشم میں آپھرتی ہے	۱۱۵۱

۶۔ ناجی

۱۔	گلشن اس گل بن مری نظروں میں ویراں ہو گیا	۱۱۳۵
۲۔	تیری صورت پہ نہ تنہا میں ہی مفتوں ہو گیا	۱۱۳۶
۳۔	جواب اس غزل کا حاتم نہیں کچھ کام تو کہہ لا	۱۱۳۷
۴۔	جی ترستا ہے یار کی خاطر	۱۱۴۰
۵۔	ہمیں یاد آتی ہیں باتیں اس گرو کی رہ رہ کے	۱۱۴۹

۷۔ ضمیر

۱۔	اس معرکہ میں کس کو ہے جرأت کہ مر سکے	۱۱۶۲

۸۔ مضمون

۹۔ صائب

۱۰۔ مظہر

۱۱۔ میر

۲	سر انگشت حنائی ہیں تری یک دست گلدستہ	۱۱۶۴

۱۲- درد

۱-	بے نور ہے وہ بزم جہاں شمع رو نہو	۱۱۶۵
۲-	افسوس شیخ دل سے مجھے راہ ہی نہیں	۱۱۶۷

۱۳-	یکرنگ-	ایسے ناآشنا سے کیا اخلاص	۱۱۳۵
۱۴-	حزیں-	کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم	۱۱۵۰
۱۵-	حشمت-	سب طرف ہے شور کچھ طوفاں سا لاتی ہے بہار	۱۱۵۲
۱۶-	سعدی-	میم و کاف وہ ہے سے تیرے ہے خجل اب میم وہ ہے	۱۱۵۲
۱۷-	صادق-	دل آگاہ مرا طالب ارشاد نہیں	۱۱۵۵
۱۸-	تاباں-	واعظ نہی کو امر کہے امر کو نہی	۱۱۵۸
۱۹-	اسلم-	بہت سے باغ میں دیکھے ہیں ہم سرو	۱۱۶۳
۲۰-	میر حسین کلیم	تو جو موسیٰ کا ہو اس کا ہر طرف دیدار ہے	۱۱۶۵

اس تفصیل سے جو اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں اُن کی مختصر توضیح یہ ہے کہ دہلی کی محفلوں اور مشاعروں میں ۱۱۵۸ھ تک ولی، آبرو، مضمون، ناجی، یکرنگ اور مظہر کا دور دورہ تھا اور مشاعروں کے لئے ان ہی کی غزلوں سے طرحی مصرعے حاصل کئے جاتے تھے۔ چنانچہ شاہ حاتم نے بھی کم و بیش اسی تاریخ تک ان شعرا کی زمینوں میں غزلیں لکھیں۔ ان کے یہاں سب سے زیادہ تعداد ولی کی زمینوں کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کے شعرائے ولی کی تقریباً ہر غزل پر غزل لکھنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہ

کوششیں ۱۱۴۳ھ تک جاری رہیں جس کے بعد خود وہاں کے بعض شعرا بہ حیثیت اُردو شاعر معروف ہو گئے۔ اور انھوں نے نئی نئی زمینوں میں خود غزلیں لکھنی شروع کیں جن پر دوسرے چھوٹے بڑے شعرا نے بھی طبع آزمائی کی۔ لیکن کسی نے حاتم کی طرح دیانت داری سے کام لیکر یہ نہیں لکھا کہ میں اپنے فلاں ہم عصر کی زمین میں یہ غزل لکھ رہا ہوں۔

ولی کے بعد یا تو حاتم اپنے ایک نوجوان معاصر یقین کی غزلوں سے متاثر ہوئے اور یا پھر یقین کا کلام اتنا مقبول ہوا کہ اکثر مشاعروں میں ان کی غزلوں سے طرحی مصرعے مقرر ہوئے۔ چنانچہ یقین کی زمینوں میں حاتم نے ۸ غزلیں لکھیں۔ یقین کی مقبولیت ۱۱۵۲ھ سے شروع ہوی اور صرف دس سال تک جاری رہکر ۱۱۶۱ھ میں ختم ہو گئی۔ یقین ایک شعلۂ مستعجل تھا جو ایک دم بھڑکا اور بجھ گیا۔

یقین کی شہرت کے تین چار سال بعد سے سودا کا ڈنکا بجنا شروع ہوا سودا اگرچہ حاتم کے شاگرد تھے لیکن اس بوڑھے استاد نے اپنے شاگرد کی زمینوں میں لکھنا اپنے لئے عار نہ سمجھا بلکہ بڑے فخر سے ان غزلوں پر وضاحت بھی کردی کہ "بر زمین سودا" معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں سودا کی شہرت ۱۱۶۷ھ تک بہت زیادہ رہی۔ اور ان کے لکھنو چلے جانے کی وجہ سے بعد میں کم ہو گئی۔

سودا کے مدمقابل میر کی شہرت بہت بعد کو شروع ہوئی۔ اور حاتم نے ان کی زمین میں صرف دو ہی غزلیں لکھی ہیں جو ۱۱۶۲ھ اور ۱۱۶۴ھ کے مشاعروں میں پڑھی گئیں۔

میر کے ساتھ ساتھ ضمیر، درد اور فغاں کے نام بھی ۱۱۶۰ھ سے اُردو دنیا میں چمکنے لگے لیکن دلی میں میر کے مقابلہ میں انکی شہرت زیادہ دنوں تک باقی رہی۔ چنانچہ ۱۱۶۷ھ تک بھی ان کی زمینوں میں غزلیں لکھی جاتی تھیں۔

ہمعصر شعرا کی زمینوں کی وضاحت کے علاوہ بعض غزلوں پر حاتم نے فرمائشوں

اور تقریبوں کا بھی عنوان کے طور پر اندراج کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض عنوان یہ ہیں :۔

۱۔ تضمین مصرع انوہ خاں بہادر خلف نواب روشن الدولہ۔ حسب الفرمود۔

پڑھی ہیں غم کی فوجیں کون ہے جو روبرو آوے ۱۱۵۱ھ

۲۔ زمین فرمایش عنایت خاں راسخ

ہم نہ جانے تھے کہ ہے وعدۂ خوباں برباد ۱۱۵۱ھ

۳۔ زمین حسب الفرمود فاخر خاں خلف صادق بہادر شمس الدولہ منہور جنگ۔

دیوانہ میں تو تھا یہ سیانے نے کیا کیا ۱۱۵۶ھ

۴۔ زمین سیّد ہدایت علی خاں ضمیر حسب الفرمایش خان موصوف

(۱) اس معرکہ میں کس کو ہے جرأت کہ مر سکے ۱۱۶۲ھ

(۲) اے خرد مند و مبارک ہو تمھیں فرزانگی ″

(۳) دیکھ اس گلرو کو دل کیونکر نہ ہووے باغ باغ ۱۱۶۳ھ

(۴) کہکشاں کی کھینچ کر لایا ہوں میں تنگ فلک ۱۱۶۴ھ

۵۔ زمین کوکہ خاں فغاں حسب الفرمایش خان موصوف

نظر سے جب اٹکتا ہے مرا دل ۱۱۶۶ھ

دیوان زادہ کی ترتیب کا سبب اگرچہ مصحفی نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ حاتم کے قدیم و جدید ہر دو رنگ کے کلام کو دیکھکر یہ سمجھنے لگے تھے کہ قدیم رنگ کا کلام اس شاعر کا ہے جو متقدمین سے تھا اور فوت ہو چکا ہے اور جدید رنگ کا کلام دوسرے حاتم کا ہے جس کو وہ حاتم ثانی کہتے تھے۔ لیکن خود حاتم نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے قدیم رنگ کے کلام کو آخر عمر میں ناپسند کرنے لگے تھے اور چاہتے تھے کہ اس پر نظر ثانی کر کے جدید زبان اور اسلوب میں ایک نیا مجموعہ منتخب کریں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ خود حاتم کی نظر سے انکا جو قدیم کلام گر چکا تھا اس کے متعلق اُردو کے بعض مشہور تذکرے یوں رطب اللساں ہیں۔

مخزن نکات میر قیام الدین قائم۔

"کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ۔ شعر خوب خوب جستہ می آید۔"

چمنستان شعرا لچھمی نرائن شفیق۔

"عمدۂ نکتہ پردازاں و علامۂ سخن طرازاں است۔ نکات رنگینش تازگی بخش دلہائے محزوں۔ و خیالات دل نشینش از نزاکت خیال مشحوں...... اشعار دل آویزش گلدستۂ انجمن و بہارستان طبعش رشک افزائے چمن است۔ دیوانے ضخیم ازو بدست آمد۔"

یہ وہ رائیں ہیں جو حاتم کے دیوان زادہ کو دیکھے بغیر لکھی گئی ہیں۔ اس لئے کہ یہ مجموعہ زیادہ مشہور نہیں ہوا اور اُردو کے بہت کم تذکرہ نگار اور شاعر اس سے واقف ہوے۔

حاتم نے اپنے دیوان زادہ کا جو دیباچہ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شاعر تھے بلکہ میر انشاء اللہ خاں کی طرح لسانیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے

چنانچہ علم لسان اور اُردو زبان کے ارتقا سے متعلق اس دیباچہ سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ چونکہ یہ حاتم کی نثر کا واحد نمونہ ہے اس لئے ان کے حالات زندگی اور خصوصیات سخن کے سلسلہ میں اس کو پیش کر دینا بھی ضروری ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں دیوان زادۂ حاتم کا جو دیباچہ نقل کیا ہے وہ محض ان کے حافظہ کا مرہون منت ہے اس لئے بالکل ناقص اور نامکمل ہے۔ اور بعض جگہ اصل دیباچہ سے مختلف بھی ہے۔ چنانچہ حاتم کے اس اصل دیباچہ سے آزاد کی عبارت کا مقابلہ کرنے کے بعد اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

حاتم کا یہ دیباچہ اس لئے بھی اپنی قسم کی ایک واحد تحریر ہے کہ اُردو کے کسی اور شاعر نے (سوائے حالی کے) اپنے دیوان پر ایسا معنی خیز دیباچہ نہیں لکھا۔ اگرچہ حاتم کا دیباچہ اتنا طویل نہیں ہے جیساکہ حالی کا "مقدمہ شعر و شاعری" مگر تاریخی اور لسانیاتی نقطہ نظر سے اس کو "مقدمہ شعر و شاعری" پر فضیلت حاصل ہے۔ اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زبان اُردو کے درجہ بدرجہ ارتقا، لفظوں اور ترکیبوں کی تبدیلیاں، اور محاورے اور لہجے کے اختلاف تاریخی ترتیب کے ساتھ محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہ ایک ایسا کمیاب مخزن معلومات ہے جس کی اہمیت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنکو لسانیات سے دلچسپی ہے یا جو اُردو زبان کی ساخت پر غور و خوض میں مصروف ہیں۔

دیباچہ

بعد حمد الٰہی و نعت رسالت پناہی معروض می دارد خاکپائے درویشاں، و خوشہ چین خرمنِ سخنوراں، ہیچ مدانِ عالم، بصورت محتاج بمعنی حاتم، کہ از سنہ یکہزار و بیست و ہشت تا یکہزار و شست و ہشت کہ قریب چہل سال باشد، نقد عمر دریں فن صرف نمودہ ہنوز زیبت طلب و جائے استاد خالی دارد۔ و در شعر فارسی بطرز مرزا صائبؔ و در ریختہ بطور ولی رحمہم اللہ اوقات خود بسر می برد۔ و ہر دو را استاد می داند۔ و دیوان قدیم از بیست و پنج سال در بلاد ہند مشہور دارد۔ و بعد ترتیب آں تا امروز کہ سنہ احد عزیز الدین عالمگیر بادشاہ باشد بقول بزرگے کہ ؎ مارا لفراغت اجل دیر رساند این عمر دراز سخت کوتاہی کرد (کذا)

ہر رطب و یابس کہ از زبانِ ایں بے زبان برآمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ۔ چنانچہ نقل آں بسیار بہر کس دشوار بود۔ بنا بر خاطر داشت طالبانِ این فن و نازک طبعان مشتاق سخن از فکر قدیم و جدید کہ فراق ماضی و حال را خبر دہد از

ہر ردیف دو سہ غزلے و از غزل دو سہ بیتے سوائے مرثیہ و مناقب و مخمس ساقی نامہ و مثنوی، مشتے نمونہ از خروار بر آوردہ، بطریق اختصار سواد بیاض نمودہ بہ دیوانِ زادہ مخاطب ساختہ. تا خوانندگان و نقل کنندگان را ملالے نیفزاید - خیر الکلام ماقلّ و دلّ - و اوزان بحور بسرخی نوشتہ تا بندیان از آں فایدہ بردارند - و سرخی غزل معہ بہ سہ قسم تقسیم نمودہ، یکے طرحی، دوم فرمایشی، سیوم جوابی - تا تفریق آں معلوم گردد - و لفظ ار و بر و از و او کہ فعل و حرف باشد بیش از قول شاہ مبارک آبرو بندہ در دیوان قدیم خود نداشت - و معاصران دیگر مثل شرف الدین مضمون - و شیخ احسن اللہ، و میر شاکر ناجی، و غلام مصطفےٰ یکرنگ و مرزا جان جاناں مظہر و غیرہ نیز مسلم داشتند - شاہ آبرو

وقت جن کا ریختہ کی شاعری میں صرف ہے
اُن سے کہتا ہوں بوجھو حرف میرا ژرف ہے
جو کہ لاوے ریختہ میں فارسی کے فعل و حرف
لغو ہیں گے فعل، اُس کے ریختہ میں حرف ہے

و دریں ولا ایں تربیت طلب از دہ دوازدہ سال سوائے آں اکثر الفاظ را از نظر انداختہ - لسان عربی و زبان فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد، و روزمرۂ دہلی کہ میرزایان ہند و فصیح گویان رند در مہاورہ (کذا) دارند، منظور داشتہ - سوائے آں زبان ہر دیار تا بہندوی کہ آں را بھاکا گویند موقوف نمودہ - فقط روزمرہ کہ عام فہم و خاص پسند بود اختیار کردہ

وشمۂ ازاں الفاظ کہ تقید دارد بہ بیان می آرد۔ چنانچہ عربی و
فارسی مثلاً تسبیح راتسبی۔ وصحیح راصحی۔ وبیگانہ رابگانہ۔ و
دیوانہ را دوانہ و مانند آں بطور عامہ۔ یا متحرک راساکن وساکن
رامتحرک چنانچہ مَرَضْ را مَرْض۔ وغَرَضْ را غَرْض و مانند
آں۔ یا الفاظ ہندوی کہ نین۔ وجگ۔ ونت وبسر وغیرہ
انچہ باشند یا لفظ مارو موا وازیں قبیل کہ بر خود قباحت لازم
آید۔ یا بجائے سے ستی یا سینتی۔ یا اُدہر را اودہر، وکدہر
را کیدہر کہ دراں زیادتی حرف باشد۔ یا بجائے پر پہ وتیری
را تجہ (حاشیہ پر :۔ ولفظ تجہ بعضے جا مناسب وبعضے جا
غیر مناسب چنانچہ تجھے وتجکو بہتر است۔ وتجہ چشم نے و تجہ
نگاہ نے مہاورہ (کذا) نیست بجائے ایں تیری چشم نے و
تیری نگاہ نے می تواں گفت) کہ باختصار آید۔ یا یہاں را
یاں۔ و وہاں را واں (حاشیہ پر :۔ وہر ایک راہریک)
کہ در مخرج تنگ بود۔ یا کثر (کذا) وفتح وضم در قافیہ۔ یا
قافیۂ راء فارسی با راء ہندی، چنانچہ گھوڑا و بورا، وسرو
دھڑو مانند آں۔ مگر ہاء ہوز را بدل کردن بہ الف کہ از عام
تا خاص در مہاورہ دارند بندہ دریں امر بمتابعت جمہور مجبور
است۔ چنانچہ بندہ را بندا وشرمندہ را شرمندا وانچہ ازیں
قبیل باشد۔ وایں قاعدہ را تا کجا شرح دہد۔ غرض کہ خلاف
مہاورہ وغیرہ مصطلح وغلطی روزمرہ ونقصان فصاحت را
(حاشیہ پر :۔ دخل نباشد العاقل تکفی الاشارہ۔ ودریں

مختصر الفاظِ مذکورہ انشاء اللہ تعالیٰ نخواہد بود۔ مگر در مثنوی قہوہ وحقہ کہ عمداً مرقوم نمودہ تا گفتگوے قدیم نیز) بنظر موشگافان ایں فن و دور بینان معانی سخن درآید۔ و اتفاقاً اگر در غزلیات باشد بر "خذ ما صفا ودع ما کدر" ملاحظہ نمودہ از خطا درگزرند۔ و انصاف را از دست ندہند کہ الانسان مرکب السہو والنسیان واقع است۔ واللہ علی التوفیق۔